یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی ......

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (الحجرات 13:49)

علیھما السلام

ابن مریم

(ابن مریمؑ پرویزؒ اور طاہر سورتیؒ)

☆

عصمت ابو سلیم

سر سیدؒ میموریل لائبریری کالج اسٹاپ جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام: ابن مریمؑ (ابن مریمؑ پرویزؒ اور طاہر سورتیؒ)

مصنف: عصمت ابو سلیم

تعداد: پانچ صد

طبع: اول فروری 2004

ناشر: سر سید میموریل لائبریری کالج سٹاپ جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور
وسیم عبداللہ پر[illegible] [illegible]یتال روڈ لاہور طبع ہوا

قیمت: مجلد روپے۔ سٹوڈنٹ روپے

Rs 30-00

معذرت !

صفحہ نمبر 1 دوسرے پیرا میں درج ذیل عبارت کی چھپائی قدرے ہلکی سیاہی میں ہے:

غیب

لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَ لَمْ

تیرے رب نے کہا

چھوئے بغیر حاملہ ہوئی تھیں

کے دوران درد زہ کی شدت

صفحہ 3 نیچے سے پانچویں لائن " دَعِیّ " کی سیاہی کم ہے

صفحہ 22 نیچے سے لائن 6 میں آیت اسطرح ہے مِنْ اٰبآءِ ھِمْ وَ ذُرِّیّٰتِھِمْ وَ اِخْوَانِھِمْ

صفحہ 36 سطر 4 کہ دردِ زہ کے وقت موت کی سیاہی کم ہے

صفحہ 55 سطر 10 حوالہ (۳/۳۷)، سطر 11 حوالہ (۵۷/۲۷)،

سطر 12 حوالہ (۳/۳۶)

صفحہ 59 نیچے سے سطر 7 تفصیل نہیں ملتی لیکن کیا کی سیاہی کم ہے

صفحہ 70 نیچے سے سطر 7 عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے کی سیاہی کم ہے

صفحہ 74 سطر 6 حوالہ (۳۳/۵)، اور نیچے سے تیسری سطر حوالہ (۲/۱۴۵)

صفحہ 75 سطر 3 حوالہ (۴۶/۲۳)، سطر 4 حوالہ (۱۷/۸۵)

صفحہ 77 سطر 3 حوالہ (۱۹/۱۴)، سطر 6 حوالہ (۱۹/۳۲)، سطر 11 حوالہ (۳۷/۹،۲۵/۷۴)

سطر 14 حوالہ (۱۹/۲۵)، سطر 19 حوالہ (۱۹/۳۱)، سطر 21 حوالہ (۲/۸۲).

سطر 22 حوالہ (۳۱/۱۵)

شکریہ

انتساب!

رسول رحمت، حامل قرآن، ہادی برحق، محسن انسانیت **محمد** رسول اللہ کے نام

☆ جو حریت فکر کی صبح درخشاں بن کر تشریف لائے۔

☆ جو کامل ترین انسان ہوئے اور جن پر سلسلہ انبیاء کرام کی تکمیل ہوئی۔

☆ جنہوں نے ہدایت کو گمراہی سے الگ کر دکھایا اور فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رد و قبول کا ہر فرد بشر کو اختیار دیا ہے۔

☆ جنہوں نے انسان کی گردن سے فرسودہ رسوم وعقائد کے بوجھ اتارے۔

☆ جنہوں نے تاریک ذہنوں میں وحی الٰہی اور اپنے پاکیزہ عمل سے اجالا فرمایا۔

☆ جنہوں نے ڈھیر خداؤں سے نجات دلا کر خدائے واحد کی حکمرانی تسلیم کرنے کا فطری درس دیا اور صرف قرآن کے مطابق ہر انسانی ماحول کے لئے مکمل طور پر خود قابل عمل نمونہ بن کر دکھایا، اور انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی، ہر دو گوشوں میں ایک خوشگوار انقلاب سے کاروان انسانیت کو صحیح اور خطرات سے مبرا، آسان اور سیدھا راستہ دکھایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

صلی اللہ علیہ وسلم!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمینداری، جاگیرداری اور اسلام

(دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن)

رحمت اللہ طارق

اس معرکہ آرا کتاب میں قرآن حکیم کی تعلیمات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحابہ کرام کے طریقہ اور عظیم مسلمان مفکرین کے حوالے سے زمین کی شخصی ملکیت، نقد لگان، مستاجری و بٹائی کی نفی اور جاگیرداری کا شرعی سہارا جیسے اہم اور آتشیں موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس انقلاب آفرین کتاب کا مطالعہ اسلام اور نظریہ پاکستان کی روح کو سمجھنے کے لئے بے حد ضروری ہے!

اسلامی معاشیات کے طلبہ کیلئے ناگزیر دستاویز!

288 صفحات اعلی سفید کاغذ قیمت اسٹوڈنٹ 80 روپے مجلد 100 روپے

سر سید میموریل لائبریری، کالج اسٹاپ جی ٹی روڈ باغبانپورہ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر نظر کتاب ''ابن مریم'' محترم عصمت ابو سلیم کی تصنیف ہے جو علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ علامہ مرحوم (   ) ایک ایسے علمی گھرانہ کے چشم و چراغ تھے جو ہندوستان میں اہلحدیث مکتبہ فکر کا علمبردار تھا۔ ان کے والد گرامی علامہ محمد سورتی (وفات 1361ھ) اہلحدیث علمائے ہند میں بلند مرتبہ و مقام رکھتے تھے۔ علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم خود بھی عربی کے فاضل تھے اور عربی زبان و لغت پر ان کی گہری نظر تھی۔ پاکستان میں عربی زبان کی ترویج کے لئے انہوں نے ''پیارے نبیؐ کی پیاری زبان'' کے نام سے کئی حصوں پر مشتمل ایک منفرد کورس تیار کیا جو چھپ کر عوام اور عربی کے طلباء کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ انہوں نے انجمن ترقی عربی (پاکستان) کی بنیاد بھی رکھی، جس کی خدمات قابل قدر ہیں۔

کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' علامہ طاہر سورتی مرحوم کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے علامہ غلام احمد پرویز مرحوم (وفات 1984) کی کتاب ''شعلہء مستور'' میں دی گئی ان کی قرآنی تصریحات و تشریحات پر گرفت کی ہے جو ان کے نزدیک صحیح نہ تھے۔ یہ کتاب المکتبہ العلمیہ، 15 لیک روڈ لاہور نے شائع کی تھی جس کے مدیر نے علامہ طاہر سورتی کے تعارف میں لکھا ہے کہ پرویز صاحب نے اپنی لغات القرآن آخر میں آپ ہی سے نظر ثانی کرائی، اس طرح انہیں پرویز صاحب کے لٹریچر کے مطالعہ و تجزیہ کا موقعہ ملا۔ نظر ثانی کرانے کا معاملہ تو واضح طور پر محل نظر ہے کیونکہ نظر ثانی تو درستگی کے لئے ہوتی ہے جو نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے الگ سے اختلافی امور کو اٹھایا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے پروف ریڈنگ وغیرہ میں حصہ لیا ہو۔

علامہ غلام احمد پرویز گزشتہ صدی کی متنازع سہی لیکن بلا شبہ ایک بہت بڑی شخصیت تھے، جنہوں نے عہد ساز اثرات چھوڑے ہیں۔ عربیت میں وہ اپنے ابتدائی اساتذہ کے علاوہ علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوریؒ سے مستفید ہوئے۔ اس لئے ان کی تنقیحات کو یک قلم مسترد کرنے میں تامل ہونا چاہیئے۔ بہر حال علامہ طاہر سورتی نے جو نکات اٹھائے ہیں ان پر محترم عصمت ابو سلیم نے ماہرانہ گرفت کی ہے اور ان کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

محترم عصمت ابو سلیم بھی عربی زبان و لغت کے بڑے آشنا ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی ہیں، پاکستان میں عراقی سفارت خانہ میں قریب دس سال تک مترجم کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ عربی اردو انگریزی مجلہ اخبار العرب میں دو سال تک اردو سے عربی میں ترجمہ اور تبیین کا فریضہ بھی سر انجام دیا ہے۔ ان کے کئی تحقیقی مقالات ملکی رسالوں میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اس

وقت ستر کے پیٹے میں ہیں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر میں خصوصاً عربی گرامر کے حوالہ سے خاصی مہارت رکھتے ہیں۔انکی علامہ طاہر سورتی کے استدلال پر گرفت خاصی اہم اور اکثر مقامات پر مسکت ہے۔

''ابن مریم'' کی اشاعت کے وقت علامہ عبدالرحمٰن طاہر سورتیؒ اور علامہ غلام احمد پرویزؒ دونوں مرحوم ہو چکے ہیں اسلیئے اس ناقدانہ تبصرہ کی توثیق یا تنقیص کی پوزیشن میں نہیں۔اس وقت قاری کی بصیرت سے ہی اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قرآنی آیات کا خود جائزہ لے لیکن پہلے سے قائم عقائد کی عینک اتار کر جانچے اور دیانتدارانہ فیصلہ کرے۔

مجھے حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کے عقیدہ اور مروج تشریحات سے خاصی آشنائی ہے۔مفسرین نے دوراز کار باتیں بھی کی ہیں۔اس سے قبل ایک جید اہلحدیث عالم حافظ عنایتؒ اللہ اثری گجراتی ثم وزیر آبادی نے بھی احادیث کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن باپ کے پیدا نہ ہوئے تھے۔ان کی وقیع تشریحات کو ان کی کتاب ''عیون زمزم'' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔اب ان کے شاگرد علامہ عبدالکریم اثری اس بات کے داعی ہیں۔

بات اہل حدیث،اہل سنت یا دیگر مکتبہ ہائے فکر کے نقطہ نظر کی نہیں بلکہ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس عقیدہ کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ ہمیں کس مقام پر پہنچاتا ہے۔محترم قاری حضرات سے التماس ہے کہ آپ شعلہ مستور،ابن مریم اور پرویز،زیر نظر کتاب ابن مریم اور ممکن ہو تو عیون زمزم کا مطالعہ کریں اور پھر نئے سرے سے حدیث مبارکہ:

......ان عیسیٰ حملته امه کما تحمل المرأة ثم وضعته کما تضع المرأة ولدها ثم غذی کما تغذی المرأة الصبی. .... ☆(مریم کو اسی طرح حمل ہوا جس طرح سارے جہان کی عورتوں کو حمل ہوا کرتا ہے اور پھر اس نے اسے اسی طرح وضع کیا جیسے کہ عورتیں اپنے اپنے حملوں کو وضع کیا کرتی ہیں اور پھر اسی طرح دودھ پلا کر پرورش کیا جیسے دیگر عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر پرورش کیا کرتی ہیں کوئی خصوصیت نہیں)اور سورہ مریم قرآنی آیات نمبر 16 تا 34 کا از خود مطالعہ کریں جس کا اختتام اس پر ہوتا ہے:

ذالک عیسیٰ ابن مریم ج قول الحق الذی فیه یمترون٥

ترجمہ:یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں،ایسی حق کی بات جس کے بارے میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔

شیخ اللہ دتا

4 جنوری 2004

☆در منثور... مسجد نبوی عیسائیوں سے رسول اللہ کا مناظرہ منقول بہ ابن جریر و ابی حاتم)،(عیون زمزم صفحہ 105،106)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قابل صد احترام عصمت ابو سلیم نے علامہ محمد طاہر سورتی کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' پر قرآن کریم کی روشنی میں مثبت تنقید لکھی ہے اور مجھے مقدمہ کے لئے حکم دیا ہے۔ ہماری علامہ محمد طاہر سورتی سے کوئی پرخاش نہیں اور نہ ہی علامہ غلام احمد پرویز سے، دونوں مرحومین کا تاریخ میں اپنا اپنا مقام ہے اور ہمارے دل کی گہرائیوں میں بھی دونوں کے لئے فراواں احترام موجود ہے۔

آج کل دنیا بنیاد پرستی کی لپیٹ میں ہے مگر ہمارے معاشرہ میں وحی الٰہی کی روشنی میں عقل، دلیل اور برداشت سے بات بڑھانے اور حق کو قبول کر لینے کا ماحول دوبارہ سے آرہا ہے، امید واثق ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ سعید روح قارئین کو قرآن کریم سے مزید قریب لانے میں ممد و معاون ہو گا، اور بالکل یہی ہمارا مقصد ہے۔

انبیاء کرام کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جاری فرمایا تھا۔ ہر نبی اپنی امت میں نسب، اخلاق، کردار، انسانی قدروں اور وحی کے عین مطابق عمل کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ مقام کا حامل ہوتا تھا۔ ہر نبی کی زندگی پاک، صاف ستھری، انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے مطابق اور ایک کھلی کتاب کی مانند ہوتی تھی۔ وہ برملا کہتا تھا کہ .. میں تم میں سے ہوں تمہاری بھلائی کے لئے کوشاں ہوں اور اس کے لئے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میں تمہاری طرح کھاتا پیتا ہوں، شادی کرتا ہوں، بازاروں میں آتا جاتا ہوں، کاروبار کرتا ہوں۔ میرے تم سے تعلقات، معاملات، دوستیاں اور رشتہ داریاں ہیں۔ تم میں اور مجھ میں ایک فرق یہ ہے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے وحی آتی ہے۔ میں اس وحی پر اسی تمہارے والے ماحول میں عمل پیرا ہو کر تمہیں دکھاتا ہوں کہ یہ کتاب جو مجھ پر رب العالمین نے نازل فرمائی ہے تمہارے اور تمہاری طرح کے کسی بھی انسانی ماحول میں مکمل طور پر قابل عمل ہے اور اسی کی پیروی میں تمہارا اور میرا بھلا ہے۔ میں تم سب کو نمونہ بن کر دکھاتا ہوں اور تم سب نے بھی اسی طرح اس کتاب اللہ پر عمل کرتے ہوئے دوسرے آنے والوں کے لئے نمونہ بننا ہے۔

جناب طاہر سورتی اور دیگر روایات پرست علمائے کرام، مفتیان عظام اور ملائی حضرات کے اذہان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا جو تصور رہا ہے، اس کے صحیح ہونے پر تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام تم ہم میں سے نہیں ہو۔ ہم انسان ہیں اور تم تو (نقل کفر کفر نہ باشد) کسی انسان کے بیٹے نہیں ہو۔ ہم تیری پیروی نہیں کر سکتے کیونکہ تو کجا من کجا۔ تم ہم سے مختلف ہو، تمہارے اور ہمارے نسب میں بہت زیادہ فرق ہے، بلکہ تمہاری تو جد ہی اور ہے۔ تم اکیلے ہی صلوٰۃ اور دین قائم کرو، ہم تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اب فرمائیے اس خدا کے بارے میں کیسا کیسا تصور

کیا جاسکتا ہے جو اس قسم کا نبی مبعوث کر دیتا ہے جس کی پیدائش اور نسب پر ہی لوگوں کو شک ہو سکتا ہے اور یوں جس کی پیروی سے لوگ اصولی طور پر انکار کر سکیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے مبعوث کیے ہوئے اس نمونہ کو اپنے لئے ماڈل ہی نہ سمجھیں کیونکہ وہ اُن سے مکمل یا کسی حد تک مختلف انسان ہے۔ایسا نبی جو عوام الناس کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا، اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔سوچیئے اور فرمایئے کہ اذہان میں یکسوئی پیدا کی گئی تھی یا انتشار کا سامان؟ دوسری طرف قدرت تو اللہ کی دکھائی جارہی ہے اور بدنام (خاکم بدہن) اور پریشان مریمؑ ہو رہی ہیں۔

وہ احباب جو میدان عمل کے بھگوڑے ہوتے ہیں وہ سوچ سمجھ کر ایسے واقعات کمال عقیدت سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ خود اور دوسرے بھی آسانی سے یہ کہہ سکیں، مثلاً ان کا تو سایہ نہیں تھا، یا یہ کہ وہ تو نور تھے، وہ تو اپنا مال جان وقت اور صلاحیتیں دین اسلام کے لئے قربان کر سکتے تھے، ہمارا تو سایہ ہے، ہم تو کمزور انسان ہیں، بندہ بشر ہیں اسلئے فرصت ہو تو ان پر زبانی کلامی درود ہی بھیج سکتے ہیں یا ان کے نام پر کھا پی سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم بہترین نمونہ مانتے ہیں (زبان سے) مگر ہم دنیادار لوگ ہیں! معزز قارئین یہ ہے ان تن آسانوں کی بزعم خویش اسلامی زندگی میں دین اسلام کی سطح !

یاد رکھئے! انسان ہونے کی جہت سے انبیاء علیہ السلام پر وہ سب مشکلات آئیں جو ہمارے راستے میں قرآن کی کما حقہ پیروی میں آسکتی ہیں اور انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے انہیں برداشت فرمایا اور صبر و استقامت کے پیکر ثابت ہوئے۔اب ہم میں سے کمزور سے کمزور انسان بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن محکم اسکے لئے قابل عمل نہیں، اور وہ مسلمان بھی ہے۔

مجھے بصد معذرت لکھنا پڑے گا کہ ہمارے اکثر و بیشتر علمائے کرام اور ملائی حضرات کے اذہان میں عورت کا تصور، ایک پرائی اور قابل استعمال چیز کا ہی رہا ہے اور وہ وعظ فرماتے ہوئے، تفسیر فرماتے ہوئے، اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے، کتابیں اور مقالے لکھتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ عورت ان کی ماں، بہن اور بیٹی بھی ہے۔میرا ان سے سوال ہے کہ ازواج النبیؐ (امہات المؤمنین) اور اماں مریمؑ کے ساتھ جو کچھ انہوں نے اور ان کے اسلاف نے زبردستی منسوب کر رکھا ہے اور اسے مزے لے لے کر محراب و منبر سے سنایا جاتا ہے، مقالے لکھے اور نشر کئے جاتے ہیں، اگر یہی کچھ یا اس کا عشر عشیر ان کی اپنی ماں بہن بیٹی کے بارے میں بیان ہو تو اس کو گوارا کریں گے؟ اور کہاں کہاں بیان فرمائیں گے اور کس کس کتاب اور مقالہ میں درج کریں گے اور کیا یہ اتنا حوصلہ ہمت اور برداشت رکھتے ہیں کہ ان کو ایسی باتیں دوسرے سنائیں۔میری ان سے بصد احترام گذارش ہے کہ خدارا دین کے نام پر ان جھوٹے قصے کہانیوں اور ان سے لبریز

کتابوں کو آج اور ابھی سے یک لخت چھوڑ دیجئے! یا کم از کم ان کتابوں سے حذف کا اہتمام فرمائیں
! اللہ آپ کے حال پر بہت زیادہ رحم فرمائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اماں مریمؑ کا نام احترام سے لیا ہے: یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ O (آل عمران 42:3) اِنَّ کا مطلب یقیناً اور اِصْطَفٰی وہی مصطفٰی والا ہے جو ہم مُحَمَّدٌ مُصْطَفٰی صلّی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس آیت کریمہ میں اماں جی کے لئے یہ لفظ دو (2) مرتبہ آیا ہے۔ اسی لئے آپ سب سے آئندہ کے لئے وافر احترام کی درخواست ہے۔ براہ کرم مریمؑ کو بہن بیٹی یا ماں کا مقام دے کر متعلقہ آیات کے تراجم اور تفاسیر درست فرمالیں۔

تمام انبیاء کرامؑ آئے ہی اللہ کے قوانین کے مطابق خود چلنے اور اتفاق رائے سے دوسروں کو چلانے کے لئے تھے۔ اسکے لئے وہ خود اللہ سے راہنمائی وحی کی صورت میں حاصل کرتے اور اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے لئے نمونہ پیش کرتے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کسی ایک نبی کی اپنی پیدائش سنت اللہ اور معروف طریقے کے خلاف ہو اور نبی کسی دوسرے طریقہ سے دنیا میں تشریف لائے۔ ویسے بھی اگر (طاہر سورتی کے عقیدہ کے مطابق) عیسٰیؑ ابن مریمؑ بغیر والد کے تھے تو آدھا ''اِلٰـہ'' تو ہو گیا، اب اگر ان روایات کو قرآن پر قاضی ہی سمجھنا ہے تو آدھا اِلٰـہ مان لیں اور اپنے مسیحی بھائیوں سے (جو تین میں سے ایک مانتے ہیں) آگے نکل جائیں۔

طاہر سورتی کے موقف کے لئے تو مریمؑ کا معبد میں ہی رہنا موزوں تھا وہاں ہی عیسٰیؑ کی ولادت ہوتی اور مریم کو سب راہب الزام تراشی کرنے کی بجائے اپنا بزرگ مانتے۔

کچھ احباب یہ ضرور فرمائیں گے کہ طاہر سورتی اور پرویز دونوں اب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، تو جناب بہت سے طاہر سورتی اور پرویز موجود ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ایک دفعہ اس کتاب کا جواب دینے کی باتیں ضرور ہونگی۔ کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کے زیر بحث متن، امتیاز قائم رکھنے کے لئے ایک پوائنٹ کم میں کمپوز کئے گئے ہیں، جبکہ اس کے حوالے اصل کتاب کے مطابق اردو ہندسوں میں دیئے گئے ہیں۔ میں جناب عصمت صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی اشاعت کے لئے سرسیدؒ میموریل لائبریری کو پسند فرمایا۔ آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ اگر کوئی فروگزاشت پائیں تو تصحیح کے لئے مطلع فرمائیں۔

اشکبار آنکھوں کے ساتھ کہ یہ سطریں استاذی علامہ رحمت اللہ طارق کا حصہ تھیں جو آج ہم میں نہیں، آپ کی صحت اور سلامتی کے لئے رب العزت کے حضور دعا گو۔

ڈاکٹر محمد سعید چودھری

دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات

پرامن ارتداد کبھی قابل تعزیر و مذمّت نہیں رہا!

قتل مرتد کی شرعی حیثیت

رحمت اللہ طارق

قرآن کی عطا کردہ حریت فکر کی روشنی میں احادیث و آثار کا بے لاگ جائزہ

اسلام میں قتل مرتد کے موضوع پر انقلاب آفرین تحقیق

170 صفحات سفید کاغذ رنگین ٹائیٹل قیمت کارڈ بیک 25 روپے بذریعہ بک پوسٹ =/35

دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات

قرآن کا معاشی نظریہ (مقالات)

رحمت اللہ طارق

معیشت اسلامیہ کی ایسی جزئیات کی تفاصیل جو مستقبل میں نشان راہ کا کام دے سکتی ہیں

160 صفحات، سفید کاغذ، رنگین ٹائیٹل، قیمت: کارڈ بیک 25 روپے مجلد 35 روپے

اسلامی معاشیات کے طلبہ و طالبات کے لئے ایک دستاویز

بک پوسٹ کے لئے 8 روپے اور رجسٹری ڈاک کے لئے 23 روپے زائد منی آرڈر فرمائیں

Ph:042-6854528 E mail:sirsyedmemlib@hotmail.com

سرسید میموریل لائبریری، کالج سٹاپ، جی ٹی روڈ، باغبانپورہ، لاہور

دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات دہشت گردی سے نجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

اس کتاب میں فاضل عربی عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، طاہر سورتی مرحوم نے عصر حاضر کے معروف دانشور اور مفکر قرآن چودھری غلام احمد پرویز کی کتاب ''شعلۂ مستور'' پر تنقید کی ہے اور ان کے اس موقف کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بے پدری نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ پیدائش کا عقیدہ ہمارے روایات پرست علماءِ دین اور تقریباً تمام قدیم مفسرین کا عقیدہ ہے۔ اگرچہ طاہر سورتی اپنے آپکو قرآن مجید کا متبع قرار دیتے ہیں اور انہوں نے بظاہر اس سلسلہ میں کسی روایت سے استدلال نہیں کیا، لیکن بباطن انہی علماءِ دین اور مفسرین کے موقف کی پیروی کی ہے اور قرآن مجید کی متعلقہ آیات کو وہی معنےٰ پہنائے ہیں جو پیش رو مذہبی علماء اور مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ یہ معنےٰ تفسیری روایات پر مبنی ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفسیری روایات تمامتر بے اصل ہیں۔ طاہر سورتی مرحوم پرویز مرحوم کے موقف کو محرف اناجیل اور ایک مسیحی محقق رینان سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔

طاہر سورتی مرحوم نے حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ پیدا ہونے کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کو ہر جگہ عیسیٰؑ بن مریم کہا گیا ہے اگر ان کا والد ہوتا تو انکے والد کی طرف نسبت کی جاتی۔ حضرت عیسیٰؑ نے قوم کے اعتراض پر اپنے آپ کو بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کہا اگر والد ہوتا تو بَرًّا بِوَالِدَیَّ کہتے۔ حضرت مریمؑ نے شادی نہیں کی۔ اگر شادی کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتہ کو، جو ان کے پاس ایک موزوں قد و قامت کا انسانی روپ دھار کر آیا تھا لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا نہ کہتیں۔ اور نقاب پوش فرشتہ یہ نہ کہتا کہ ''واقعہ تیرے بیان کے مطابق ہے۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مجھ پر آسان ہے۔'' اور یہ دلیل دی ہے کہ حضرت مریم کسی بشر کے چھوئے بغیر حاملہ ہوئی تھیں اور نقاب پوش فرشتہ نے ہی انہیں بچہ دیا تھا۔ اگر نکاح کیا ہوتا تو اکیلے سفر کرنے کے دوران دردِ زہ کی شدت سے مرنے کی تمنا نہ کرتیں۔ طاہر سورتی مرحوم کے مطابق ہر بچہ ماں اور باپ دونوں کے لئے قُرَّۃَ اَعْیُنٍ (آنکھوں کی ٹھنڈک) ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو صرف ماں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بتا رہا ہے

(وَقَرِّیْ عَیْنًا...مریم 28:19) اگر حضرت مریمؑ نے شادی کی ہوتی تو انہیں مریم بنتِ عمران کے بجائے مریم امرأۃ یوسف النجار کہا جاتا اگر وہ ان کا خاوند ہوتا۔ طاہر سورتی مرحوم نے اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا سے بھی حضرت مریم کے غیر شادی شدہ ہونے کا استدلال کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ فلاں شخص حضرت عیسیٰ کا باپ ہے تو وہ انہیں حضرت مریمؑ کی طرف کیوں منسوب کرتا"۔ وَغَیْرُ ذٰلِکَ مِنَ الدَّلَائِلِ۔ ان سب دلائل کا اس کتاب میں جائزہ لے کر ان کا ابطال کیا گیا ہے۔

بلاشبہ طاہر سورتی مرحوم فاضل عربی تھے۔ لیکن قرآن مجید کی آیات کا صحیح مفہوم جاننے کے لئے صرف عربی دان ہونا کافی نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ کسی موضوع پر قرآن مجید کی ان آیات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو قرآن مجید میں دیگر مقامات پر وارد ہوئی ہیں اور سیاق وسباق کا لحاظ بھی کیا جائے تاکہ قرآن مجید میں کوئی تضاد معلوم نہ ہو۔ قرآن مجید نے اپنے معنی ومفہوم کی تفسیر کسی تفسیری روایت یا شخصی تشریح پر نہیں چھوڑی بلکہ خود ہی واضح کردی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ (اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ) کا تقاضا ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس وجہ سے عربی ادب ولغت کا شاہکار اور اصناف سخن سے مزین ہے۔ جن میں سے ایک ہجو بھی ہے۔ اس لئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس صنف سے کہاں کہاں کام لیا گیا ہے، کیونکہ اس کے صحیح تعین کے بغیر مطلب سمجھنے میں غلطی کا احتمال ہے اور بات کچھ کی کچھ ہوسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید سے ایک آیت ذیل میں پیش کی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ طاہر سورتی مرحوم نے اس آیت اور مزید کئی آیات کے حوالہ سے، جن کا ذکر اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ آئے گا، کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

سورہ آل عمران میں ہے کہ جب حضرت زکریاؑ کو اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ اولاد بخشنے کی دعا پر حضرت یحییٰ کی پیدائش کی بشارت ملی تو انہوں نے (قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ، قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (آل عمران 40:3) کہا اے میرے رب! اس حالت میں کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی نپٹ بانجھ ہے، میرے لڑکا کیوں کر ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ اے زکریا جو کچھ تو نے کہا واقعہ ایسا ہی ہے، اللہ جو کچھ چاہتا ہے کردیتا ہے (ترجمہ سورتی مرحوم) اور تشریح میں کہا ہے کہ "بات ایسی ہی ہے جو تو کہہ رہا ہے یعنی واقعی تو بوڑھا ہو چکا ہے اور تیری بیوی نپٹ بانجھ ہے، مگر اللہ اپنی مشیت سے جو چاہتا ہے کردیتا ہے۔"

طاہر سورتی مرحوم کے ترجمہ اور تشریح پر غور کیا جائے تو مفہوم یہ نکلتا ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی

پیدائش معجزانہ تھی، کیونکہ مذکورہ ترجمہ وتشریح کے مطابق، اللہ تعالیٰ حضرت زکریاؑ کو بتا رہا ہے کہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ انہیں بڑھاپے، ازدواجی تعلقات میں عجز اور بیوی کے لاعلاج بانجھ پن کے باوجود، یحییٰؑ نامی بیٹا عطا کرے گا، کیونکہ اللہ جو چاہے کر دیتا ہے۔ لیکن یہ مفہوم درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ٹھہرتا ہے:

اولاً: عاقر کا معنی صرف بانجھ ہے، نپٹ بانجھ نہیں، جیسا کہ کتاب میں عاقر کے متعلق بحث میں واضح کیا گیا ہے۔

ثانیاً: کذلک اور اَللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ دو جملے نہیں بلکہ ایک ہی جملہ ہے۔ جبکہ طاہر سورتی کے ترجمہ کے مطابق یہ دو جملے بنتے ہیں (1) جو کچھ تو نے کہا ہے، واقعہ ایسا ہی ہے (2) اللہ جو کچھ چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ طاہر سورتی مرحوم نے اس غلطی کے تدارک کے طور پر اپنی تشریح میں دو جملوں کے درمیان اپنی طرف سے "مگر" کا اضافہ کر کے ان دو جملوں کو ایک جملہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور فرمایا ہے:

"بات ایسی ہی ہے جو تو کہہ رہا ہے یعنی واقعی تو بوڑھا ہو چکا ہے اور تیری بیوی نپٹ بانجھ ہے، مگر اللہ اپنی مشیت سے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔"

ثالثاً: اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو ازواجی تعلقات سے مستثنیٰ کر کے اور انکی بیوی کے بانجھ پن کو دور کیے بغیر بیٹا دینے کی بشارت دی تھی، تو یحییٰؑ نہ تو طیب اولاد کہلا سکتے ہیں اور نہ فی الواقع ان کا بیٹا، کیونکہ پاکیزہ بیٹا وہ ہوتا ہے جو ماں باپ کے جائز نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہو۔ والد کے جنسی عجز اور والدہ کے نپٹ بانجھ پن برقرار رہنے سے نہ تو حمل قرار پائے گا اور نہ بچہ جنا جا سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر نہ بچہ ولد ہوگا، نہ باپ والد اور نہ ماں والدہ ہوگی۔ بلکہ بچہ ویسے ہی "ماں باپ" کو تھمایا ہوا سمجھا جائے گا۔ اس صورت میں وہ دَعِی "منہ بولا بیٹا) بھی نہ ہوگا، کیونکہ منہ بولے بیٹے کے بھی باپ اور ماں ہوتے ہیں، خواہ ہمیں ان کا پتہ نہ ہو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکے گی کہ منہ بولے بیٹوں کو انکے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے۔ ایسے منہ بولے بیٹے جنکے باپوں کے ناموں کا ہمیں پتہ نہ ہو، تو وہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَمَوَالِیۡکُمۡ (الاحزاب 5:33) "پھر تمہارے دینی بھائی ہونگے اور ولاء کی حیثیت منسوب ہوں

گے۔'' (ترجمہ سورتی مرحوم) بچہ چونکہ ماں باپ کے جنسی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ باپ تندرست ہو اور ماں بانجھ نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں شرطیں پوری کردیں، حضرت زکریاؑ کو تندرست کردیا قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (مریم 10:19) اور انکی بیوی کا بانجھ پن بھی دور کردیا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ----- (الانبیاء 99:21)

رابعًا: جب کہ مذکورہ بالا دو آیتوں کے مطابق حضرت زکریاؑ تندرست بنادئے گئے اور انکی بیوی کا بانجھ پن دور کردیا گیا تو یحییٰ علیہ السلام یقیناً اپنے والدین کے ازدواجی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے اور فی الواقعہ اپنے ماں باپ کے بیٹے تھے۔

خامساً: آیت زیر بحث (مریم 8:19) میں ایجاز حذف کی صنف استعمال ہوئی ہے اور وہ یہ ہے: قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ (اَیَکُوْنُ بِاِزَالَةِ الْعُقْرِ عَنْ زَوْجَتِیْ وَرَدُّ شَبَابِیْ عَلَیَّ؟) یعنی زکریاؑ نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کیونکر ہوگا، حالانکہ میں اس بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ (کیا میری بیوی کا بانجھ پن دور کرکے اور میری جوانی لوٹا کر؟) یہ قوسین کی عبارت: ''کیا میری بیوی کا بانجھ پن دور کرکے اور میری جوانی لوٹا کر؟'' سوال کی وضاحت ہے۔ سادہ لفظوں میں معنی یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ نے پوچھا کہ میرے ہاں بیٹا کیونکر ہوگا حالانکہ میں بڑھاپے کی حد کو پہنچا ہوا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، کیا یہ دونوں رکاوٹیں (بڑھاپے کی وجہ سے جنسی عجز اور بیوی کا بانجھ پن) دور کرکے مجھے وہ بیٹا عطا کیا جائے گا، جس کی مجھے بشارت دی گئی ہے؟

سادساً: اس سوال کے جواب میں جو ایجاز حذف کے اظہار سے واضح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ جس (بیٹے) کو بنانا چاہتا ہے اسے اسی طرح بنا دیتا ہے جیسا تیرے سوال سے ظاہر ہے (یعنی رکاوٹیں دور کردیتا ہے)

سابعاً: اوپر جو ایجاز حذف تفسیر خازن سے لیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی تفسیر خازن نے ایک اور ایجاز حذف بھی دیا ہے، جو یہ ہے: اَوْ یَکُوْنُ وَ نَحْنُ عَلٰی حَالِنَا مِنَ الْکِبَرِ وَالضُّعْفِ؟ (یا ہمارے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت میں؟) طاہر سورتی مرحوم نے یہ دوسری صورت بیان کرکے، حضرت یحییٰ کی پیدائش کو معجزہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن، حضرت زکریاؑ نے یہ بات نہیں کہی ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جنسی کمزوری اور بانجھ پن کے نقص کے موجود ہوتے ہوئے مجھے لڑکا دیا

جائے گا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جنسی عمل کے بغیر وہ والد نہیں ہو سکتے، اور بانجھ پن کے ساتھ انکی بیوی حاملہ فلہذا انکے بیٹے کی والدہ نہیں ہو سکتی۔ اور قرآن مجید سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو تندرست (سَوِیًّا... مریم 10:19) بنادیا اور انکی بیوی کا بانجھ پن دور کردیا (وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ) اس بحث سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت یحییٰ کی پیدائش کوئی معجزہ اس معنی میں نہ تھی کہ حضرت زکریاؑ کو اپنی بیوی کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور نہ انکی بیوی کا بانجھ پن دور ہوا۔

اس ایک مثال پر طاہر سورتی مرحوم کے دیگر بہت سے دلائل کا قیاس کیا جاسکتا ہے اور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ روایات زدگی کا شکار ہو کر کس طرح آیات کو غلط معنٰے پہناتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب میں انکے تمام دلائل کی کمزوری بے نقاب کی گئی ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(1) قرآن مجید

(2) تورات

(3) انجیل

(4) عُیُونِ زمزم فی میلاد عیسیٰ بن مریمؑ از حافظ عنایت اللہ اثریؒ۔

(5) بھعان صریح علی الروح و مریمؑ و المسیح از حافظ عنایت اللہ اثریؒ۔

(6) مفصل العرب و الیهود فی التاریخ از احمد سوسہ، عراق (عربی)

(7) المنجد (عربی)

(8) تفسیر خازن (عربی)

(9) تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل (عربی)

(10) تفسیر بیان للناس از خواجہ احمد الدینؒ امرتسری۔

امید ہے یہ کتاب طاہر سورتی مرحوم کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کا ایک مسکت تنقیدی جائزہ ثابت ہوگی۔

المفتقر الی اللہ الرحمٰن

(محمد عصمت ابوسلیم)

یکم نومبر 2003ء

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ.....

اور سلیمان جو چاہتے انکے کارندے اونچی اونچی عمارتیں اور مجسمے بناتے تھے (سبا 13:34)

فنون لطیفہ

مصوری موسیقی اور طربیہ رقص

رحمت اللہ طارق

منفرد تحقیق، متنوع دلائل اور طاقتور حوالہ جات کی ضو میں دکھلایا گیا ہے کہ وحی قرآن نے اپنے الفاظ میں فنون لطیفہ کو نہ حرام کیا ہے نہ ہی قابل مذمت! جہاں تک حدیث وروایت اور فتویٰ کا تعلق ہے تو وہ ایک تو جرح وتنقید کی شدید ضربات سے حالت نزع میں پہنچ چکی ہیں دوسرا خود علمائے عہد حاضر کے حدیث شکن رطیرے سے اپنا وزن کھو بیٹھی ہیں لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہیں!

☆ تصویر اور اسلام ☆ موسیقی (ابن حزم اندلسی کے رسالہ الغناء کا آزاد ترجمہ) ☆ طربیہ رقص

اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا پتھر ہے جس نے مذہب کے جمود زدہ اور یخ بستہ تالاب میں زور کا ارتعاش پیدا کیا ہے!

کتاب جلد دستیاب ہوگی، مطالعہ کریں اور انصاف کی آواز بلند کریں

ادارہ ادبیات اسلامیہ 1339/3 گلشن آباد بیرون پاک گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ابن مریم اور پرویز" فاضل عربی عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم کی کتاب کا نام ہے، جسے المکتبۃ العلمیۃ، 15 لیک روڈ لاہور نے شائع کیا ہے، سن طباعت درج نہیں۔ کچھ عرصہ قبل میرے ایک فاضل دوست نے یہ کتاب، جو 80 صفحات پر مشتمل ہے، مجھے تحفہ دی تھی۔ لیکن مجھے اس کا مطالعہ کرنے کی توفیق حال ہی میں ہوئی۔

اس کتاب کے سرورق کی پچھلی طرف مؤلف سے تعارف کرایا گیا ہے، جس کے مطابق عبدالرحمٰن طاہر سورتی نے ثانوی تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں حاصل کی پھر اپنے والد مرحوم علامہ محمد سورتی (صدر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ) سے علوم عربیہ و دینیہ حاصل کئے اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب عربی کا امتحان اولیت کے ساتھ پاس کیا۔ انہوں نے انجمن ترقی اردو (ہند) کے لئے عربی اردو لغت کا ایک حصہ مرتب کیا اور احمد حسن زیات کی مشہور تصنیف "تاریخ ادب عربی" کے اردو ترجمہ کے علاوہ عربی اردو کی ایک ضخیم لغت "بحر عرب" تیار کی۔ عربی کے مشہور فلسفی شاعر ابو العلاء المعرّی کے افکار کا خلاصہ اردو میں "افکارِ معری" کے نام سے پیش کیا۔ بہت سی عربی کتابوں کے ترجمے کئے۔ عربی سکھانے کے لئے متعدد کورس لکھے، جن میں "پیارے نبیؐ کی پیاری زبان" کے نام سے 24 حصوں پر مشتمل کورس منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ عربی زبان کو ملک میں عام اور مقبول بنانے کے لئے انجمن ترقی عربی (پاکستان) کی بنیاد رکھی۔ تعارف میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ پرویز مرحوم نے اپنی لغات القرآن پر آخر میں طاہر سورتی ہی سے نظر ثانی کرائی۔

طاہر سورتی مرحوم کا پرویز مرحوم کے متعلق تجزیہ ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا نام لیتے ہیں اور اسکی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ صرف قرآن سے نکلنے والے قرآن مجید کے نام سے غیر قرآنی افکار پیش کرنے کے عادی ہیں۔"

موصوف سے میلوڈی، اسلام آباد میں واقع ایک اسلامی تحقیقی ادارے میں ایک بار ملاقات ہوئی، ان دنوں راقم الحروف سفارت خانہ عراق، اسلام آباد میں بطور مترجم ملازم تھا۔تعارف پر طاہر سورتی صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے اور خوش دلی سے میزبانی کی۔ دوران گفتگو، انہوں نے پرویز صاحب سے اپنے بعض اختلافات کا ذکر بھی کیا تھا، جو اس موضوع پر تھے، جس پر انہوں نے "ابن مریم اور پرویز" کتاب لکھی۔

اس کتاب میں طاہر سورتی مرحوم کی اس کتاب "ابن مریم اور پرویز" کے متعلق ایک تنقیدی جائزہ، قرآن حکیم اور عربی قواعد کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے، جس میں واضح کیا جائے گا کہ اس موضوع پر طاہر سورتی مرحوم کا موقف محض موضوع روایات پر مبنی ہے۔وما توفیقی الا باللہ۔

جناب طاہر سورتی کی عربی دانی میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے، عربی زبان سے کما حقہ واقفیت، سیاق وسباق اور کسی موضوع کے متعلق مختلف مقامات پر تصریف آیات کے ذریعے قرآنی تصریحات کو نگاہ میں رکھنے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا جائے اور دیکھا جائے کہ جو مفہوم اخذ کیا گیا ہے وہ محکمات سے واضح ہے، قلب سلیم کے خلاف نہیں اور اس سے کوئی تعارض و تناقض واقع نہیں ہوتا۔

قرآن مجید خالق ارض وسماوات کا کلام ہے اور عالمی ادب عالی کا شاہکار ہے۔اس میں عربی زبان کے محاسن، جمال وجلال اور حسن تعبیر کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔کلام اللہ بلاغت یعنی بیان، معانی اور بدیع کی تمام اصناف سخن سے آراستہ ہے اور واضح المعانی سہل اللفظ اور عمدہ ترتیب کا حامل ہونے کی وجہ سے ایک فصیح کلام ہے۔اس کا اسلوب علمی وادبی ہے اور تشبیہ اور اسکی اقسام نیز مجاز، استعارہ، ایجاز، اطناب، جناس، اقتباس۔سجع بتوریہ طباق وغیرہ سے مرصع ہے، اس بنا پر قرآن مجید کی آیات کے لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ قوسین میں ان کے مطالب کی توضیح یا حاشیہ میں بعض الفاظ کی تشریح کا اضافہ، ان کے سمجھنے اور ابہام، (اگر کوئی ترجمہ میں ہو) دور کرنے میں ممد ومعاون ہوتا ہے، بشرطیکہ ایسا اضافہ محکمات پر مبنی ہو۔

انسانی پیدائش کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولین پیدائش کے بعد انسان کی افزائش کا سلسلہ توالد وتناسل یعنی حقیر پانی کے خلاصہ کے ذریعے جاری وساری ہے۔ جیسے کہ آیت کریمہ (السجدہ 32:8تا9) میں ارشاد باری تعالیٰ سے واضح ہے: وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ

طِيۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۝ (اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اسکی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بےقدر پانی سے بنایا۔ (ترجمہ اشرف علی تھانویؒ) اور آیہ کریمہ (الحجرات 13:49) میں فرمان الٰہی ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (ترجمہ تھانویؒ)

ان دو آیات کے علاوہ دیگر تمام آیات قرآنیہ سے جن کا تعلق انسان کی پیدائش سے ہے واضح ہے کہ ابتدائی پیدائش کے بعد نسل انسانی کی افزائش حقیر پانی کے خلاصہ سے چلی آرہی ہے اور آئندہ بھی فنائے عالم تک یہ اسی طرح جاری رہے گی۔ اس میں نہ ماضی میں اور نہ آئندہ کسی ایک استثنا کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ بھی چونکہ ایک انسان تھے، اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ ان کے متعلق اس عام قاعدہ کے خلاف یہ سمجھا جائے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، وہ ایک ''ولد'' تھے اور ولد بغیر والد اور والدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کے والد کا ذکر کیا جائے تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسکی کوئی والدہ نہیں غلط ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی والدہ کا ذکر ہو تو یہ سمجھنا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا، صحیح نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ (الاحزاب 5:33) اس آیت کا ترجمہ طاہر سورتی مرحوم نے اپنی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' کے صفحہ 64 پر یوں کیا ہے:

> ''اولاد کو ان کے باپوں کے طرف منسوب کرو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ رویہ ہے، لیکن اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے اور ولاء کی جہت سے منسوب ہوں گے۔''

یہ آیت پیش کر کے طاہر سورتی مرحوم رقمطراز ہیں:

> ''اب بتایئے کہ اس قرآنی فیصلہ کی موجودگی میں اگر اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ فلاں شخص حضرت عیسیٰؑ کا باپ تھا تو وہ انہیں حضرت مریمؑ کی طرف کیوں منسوب کرتا یا تو باپ کا نام ہی چھوڑ دیتا۔ جس طرح دیگر انبیاء کے سلسلہ میں اس کا طریقہ ہے یا پھر انہیں باپ کی طرف منسوب کرتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ اصول کو بلا وجہ خود ہی توڑ دے۔''

طاہر سورتی مرحوم کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اُدۡعُوۡهُمۡ کی ضمیر منصوب کا مرجع ادعیاء ہے اولاد نہیں۔ ادعیاء منہ بولے بیٹوں کو کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰؑ کسی کے متبنیٰ نہ تھے۔ لہٰذا معنی یہ ہیں کہ متبنیٰ لوگوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارا کرو۔ اور اس آیت سے صاف

ظاہر ہے کہ ادعیاء کے باپ ضرور ہوتے ہیں۔ اس آیت کا حضرت عیسیٰؑ پر اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ لے پالک (متبنّٰی) نہیں تھے۔ بنابریں طاہر سورتی مرحوم کا اس سے استدلال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ابتدائی پیدائش کے بعد ہر انسان کے لئے باپ اور ماں کا ہونا ضروری ہے۔ پھر آباء میں تغلیباً مائیں بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اپنی ماں کی طرف منسوب ہو تو اس کے باپ کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ بہت سے لوگ اپنی ماؤں کی شہرت کی وجہ سے، انہی کے ناموں سے مشہور ہوئے، لیکن کوئی نہیں کہتا کہ ان کے باپ نہ تھے، سادات بنی فاطمہؓ کہلاتے ہیں، کیا اس سے یہ دلیل صحیح ہوسکتی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی اولاد نہیں ہیں، جہاتک حضرت عیسیٰؑ کا تعلق ہے، تو وہ ابن مریمؑ کی کنیت سے مشہور تھے اور اللّٰہ تعالیٰ و تسامیٰ عالم الغیب و الشہادۃ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ مذکورہ بالا کنیت سے مشہور ہوں گے۔ اگر عیسیٰ بن یوسف کہا جاتا تو لوگ انہیں صاحب انجیل کے بجائے کوئی اور عیسیٰ سمجھتے۔ علاوہ ازیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عیسائیوں نے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دو الٰہ بنا رکھا تھا ان دونوں کی الوہیت کی نفی بھی مقصود تھی اور یہ نفی قرآن مجید میں کئی طرح واضح کی گئی۔ جنا ہوا اور جننے والی الٰہ نہیں ہوسکتے، ماں بیٹے کے متعلق فرمان الٰہی ہے: کانا یا کلان الطعام، یہ بھی ان کی الوہیت کی نفی کے لئے ہے۔ "وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے" اس امر کا متقاضی ہے کہ انہیں بول و براز کی حاجت پیش آتی تھی۔

اگر طاہر سورتی مرحوم آیت کریمہ (الانعام 88:6) وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ("اور ان کے باپوں اور انکی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو (ہم نے ہدایت دی") کو ذہن میں رکھتے تو اس قسم کی بودی دلیل سے احتراز کرتے۔ اس سے پہلے جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اور جو مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ میں ضمیر مجرور کا مرجع ہیں، وہ ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ والیاس، اسماعیل، الیسع و یونس ولوط علیہم السلام ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ ان سب انبیاء کے باپ تھے، اولاد تھی اور بھائی تھے، جن میں سے بعض کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہدایت دی اور فرمایا: وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور ہم نے ان کو چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف چلایا)۔ لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہئے، اگر کوئی شخص اپنی ماں کے نام سے معروف ہو تو کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا

کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوگا۔ یقیناً طاہر سورتی مرحوم کے علم میں بھی ہوگا کہ تاریخ میں ہمیں کئی اشخاص ملتے ہیں جو اپنی ماؤں کی طرف منسوب تھے۔ مگر مرحوم نے ان سے صرف نظر اسلئے کیا کہ ان میں علمائے کرام اور تفاسیر کے ذریعے بغیر باپ کی پیدائش کے پھیلائے گئے عقیدہ کی مخالفت کی جرأت نہیں تھی، جسکی وجہ سے ان کے ''دلائل'' ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن کر رہ گئے ہیں۔

طاہر سورتی مرحوم نے اصل بحث شروع کرنے سے پہلے اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''مقصد یہ ہے کہ قارئین خالی الذہن ہو کر اس مسئلہ میں قرآن مجید کا عندیہ معلوم کر سکیں بعد ازاں وہ پرویز صاحب کے (ان کے بقول) غیر قرآنی عقیدہ کو وضاحت سے پیش کر کے ان کے استدلال کی غلطیاں بتائیں گے۔ نیز اس موضوع پر ان کے بیانات کا باہمی تضاد سامنے لائیں گے۔'' یہ تو بڑی اچھی اور صحیح بات ہے کہ خالی الذہن ہو کر قرآن مجید کا عندیہ معلوم کیا جائے۔ لیکن اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید نے اس موضوع پر دوسرے مقامات پر جو کچھ فرمایا ہے، اسے نظر انداز کر دیا جائے اور ذہن میں نہ رکھا جائے، تو یہ بات غلط ہے اور طاہر سورتی مرحوم نے ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ اپنے اپنے مقام پر واضح ہوتا چلا جائے گا۔

طاہر سورتی مرحوم نے لکھا ہے ''قرآن مجید میں سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے سو وہاں ہر دو جگہ حضرت عیسیٰ کے تذکرہ کے ساتھ حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے، جو خالی الذہن ہو کر قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ غور فرمائیے کہ تسلسل مضمون، ربط آیات، اتصال معانی ایک مومن باللہ اور مومن بالقرآن کو غیر متزلزل یقین پیدا کرانے میں کس طرح ممد و معاون بنتے ہیں۔''

دریں چہ شک، طاہر سورتی مرحوم نے سورۃ آل عمران کی آیات 35 تا 60 اور سورۃ مریم کی آیات 1 تا 35 درج کر کے ساتھ ساتھ ان کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ بعض آیات کی تشریح کی ہے، بعض آیات کے پرویز مرحوم کے ترجمہ پر اعتراض کئے ہیں اور بعض آیات کو کسی تشریح و توضیح کے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ یہ تالیف چونکہ سورتی مرحوم کی کتاب ''ابن مریم اور پرویز'' پر تنقید ہے اس لئے فی الحال اسی کے بارے میں گزارشات پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

اب پہلے سورہ آل عمران کی آیات اور ان کا طاہر سورتی مرحوم کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ

عَلِیۡمٌ (۳۵) فَلَمَّا وَضَعَتۡهَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَلَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَاِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ (۳۶) (صفحہ ۱۸،۱۷)

"جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! میں اپنے پیٹ کے بچہ کو (تیری خدمت کے لئے آزاد) کر کے تیرے نذر کرتی ہوں [1] سو میری نذر قبول فرما بلا شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے (۳۵) پھر جب ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی تو انہوں نے کہا اے میرے پروردگار! میرے تو لڑکی پیدا ہوگئی اور جو بچہ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اللہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ جانتا ہے اور نر مادہ کی طرح نہیں ہوتا ہے۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھدیا اور میں اسے اور اسکی اولاد [2] کو شیطان رجیم (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں (۳۶)"

طاہر سورتی مرحوم حاشیہ میں پرویز مرحوم کا ترجمہ اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حاشیہ [1] پرویز صاحب کا ترجمہ ہے "میں اسے دنیا کے تمام کام دھندوں اور ماں باپ کی خدمت سے آزاد کر کے تیرے (مقدس ہیکل کے) لئے نذر کرتی ہوں (یعنی نذر مانتی ہوں کہ اسے ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی)" (شعلہ مستور صفحہ ۳۴)

دنیا کے کام دھندوں سے بہت سے وہ اعمال جو مادی خلائق سے وابستگی کی بناء پر کئے جاتے ہیں مراد ہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کوئی انسان دنیا میں رہتے ہوئے اس قسم کے دنیا کے کام دھندوں سے آزاد ہو جائے۔ یہ ایک بندہ ہے۔ پھر اس سے دنیا اور دین کی تفریق ثابت ہو رہی ہے جو پرویز صاحب کو کسی قیمت پر منظور نہیں ہے آپ جانتے ہیں دنیا کے کام دھندے کیا ہوتے ہیں۔ یہی کھانا پینا سونا نسل پیدا کرنا گویا پرویز صاحب کی نظر میں یہ پچاں دھندوں سے آزاد ہو گا۔ یہ آزادی ایسی چیز ہے جسے کوئی انسان کسی انسان کو دے سکتا ہے۔

اسی طرح مقدس ہیکل "قطعاً غیر قرآنی لفظ ہے اس کے ذریعہ پرویز صاحب حضرت مریم کے راہبہ (NUN) ہونے کا ہوائی قلعہ تعمیر فرمانا چاہتے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان کی ماں انہیں تجرد کی زندگی گذارنے کے لئے چھوڑ رہی تھیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مریمؑ کی والدہ اپنے بچہ کو علوم دینیہ حاصل کرنے اور خدمت دین کے لئے وقف کرنا چاہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس غرض کے لئے انہیں اپنا بچہ کسی عالم دین کی خدمت میں زیر تربیت رکھنا پڑیگا اور معبد کا ماحول درکار ہوگا۔ (صفحہ ۱۷)

(1) اس آیت کریمہ میں مُحَرَّرًا ۔ حَرَّرَ يُحَرِّرُ تَحْرِيرًا سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ المنجد کے مطابق حرر الولد او الشیء کا معنی وقفه لطاعة الله وخدمته وقيل اعتقه ولا شغله بشیء ہے، یعنی کسی بچہ یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خدمت کے لئے وقف کرنا اور بعض کے نزدیک اسے آزاد کر دینا اور کسی کام دھندے میں نہ لگانا ہے۔ کام دھندے میں لگانے کا مطلب کسی کو کسب معاش کے لئے تگ و دو کی فکر سے چھٹکارا دلانا ہے۔ لہٰذا پرویز مرحوم پر حضرت مریمؑ کو راہبہ بنانے کا الزام لگانے کا کوئی جواز نہیں۔ مریمؑ کی والدہ نے یہ خیال کر کے کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا، اسے دینی خدمت کے لئے وقف کرنے کی نذر مانی تھی۔ پرویز مرحوم پر مقدس ہیکل کا لفظ استعمال کرنے کا اعتراض، اعتراض برائے

اعتراض ہے، کیونکہ ہیکل، معبد کے معنی میں بھی مستعمل ہے، اور طاہر سورتی مرحوم نے خود لکھا ہے کہ "اس غرض کے لئے انہیں اپنا بچہ کسی عالم دین کی خدمت میں زیر تربیت رکھنا ہوگا اور معبد کا ماحول درکار ہوگا"۔

راھبة - راھب کی مونث ہے۔ المنجد نے الراھب کا معنی، جسکی جمع رھبان ہے: المخائف، الاسد، من اعتزل عن الناس الی دیر طلباً للعبادة یعنی ڈرنے والا، شیر اور بغرض عبادت لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے راہبوں اور راہبات کی اقامت گاہ (خانقاہ) میں رہنے والا بتایا ہے۔ اس معنی سے اگر تجرد کا مفہوم بھی نکلتا ہے، تو پرویز مرحوم کو مطعون کرنا درست نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں زیر بحث آیت میں حضرت مریمؑ کا ذکر نہیں ہے۔

2- طاہر سورتی مرحوم نے آیت (36) کے حوالہ سے لکھا ہے:

"یہاں پرویز صاحب نے ذریۃ کا ترجمہ "نسل" کیا ہے (شعلہ مستور صفحہ ۳۶) بہر حال اولاد ہو یا نسل مطلب دونوں کا ایک ہے اور وہ یہ کہ مریمؑ کی ماں اپنی بچی کی اولاد اور اسکی نسل کے لئے دعا کر رہی ہیں کہ خدا اسے شیطان کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ مگر بقول پرویز صاحب انکی ماں تو اپنی بچی کو دنیا کے تمام کام دھندوں سے آزاد کر کے مقدس ہیکل کے

(معذرت! اگلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

قرآن کا معاشی نظریہ (مقالات)

رحمت اللہ طارق

معیشت اسلامیہ کی ایسی جزئیات کی تفاصیل جو مستقبل میں نشان راہ کا کام دے سکتی ہیں

160 صفحات، سفید کاغذ، رنگین ٹائیٹل، قیمت: کارڈ بیک 25 روپے مجلد 35 روپے

اسلامی معاشیات کے طلبہ و طالبات کے لئے ایک دستاویز

بک پوسٹ کے لئے 8 روپے اور رجسٹری ڈاک کے لئے 23 روپے زائد منی آرڈر فرمائیں

Ph:042-6854528 Email:sirsyedmemlib@hotmail.com

سرسیدؒ میموریل لائبریری، کالج شاپ، جی ٹی روڈ، باغبانپورہ، لاہور

لئے نذر کر چکی تھیں۔ عمران کی یہ دعا کیا معنی رکھتی ہے کہ "میں اسے اور اسکی نسل کو شیطان رجیم کے دسوسے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں؟ کیا اسی کا نام تجرد کی زندگی گزارنا ہے" "ذریتھا" کا لفظ تجرد اور رہبانیت کی کھلی تردید کر رہا ہے۔ اس سے تو صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مریم کو انکی ماں نے راہبۃ (NUN) نہیں بنایا تھا۔ یہ سب حضرت پرویز کی بصیرت قرآنی کی اختراع آفرینیاں ہیں۔ حیرت ہے کہ پرویز صاحب کو کلام اللہ کی تصریح اور اپنی تاویل میں اتنا عظیم الشان تضاد نظر نہیں آتا۔"

طاہر سورتی مرحوم کا یہ بیان انکے پہلے بیان کی تکرار ہے، جس کا اوپر جواب دیا جا چکا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ کی پیدائش سے ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی۔ مریمؑ کی والدہ کی توقع کے خلاف لڑکی پیدا ہوئی اور انہوں نے وہ دعا کی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ بچی کی پیدائش پر والدہ مریم کے دل میں خیال آیا کہ ہیکل کے لئے وقف ہونے کی صورت میں انکی بیٹی متاہل زندگی گذارنے سے محروم ہو سکتی ہے، جو اس پر ظلم ہوگا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ جوان ہونے پر وہ ہیکل میں نہ رہے شادی کر کے اپنا گھر بسائے اور اس کے بچے ہوں اور یہ سب شیطان لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔

اب اگلی آیات 37 تا 39 اور انکا طاہر سورتی مرحوم کا کیا ہوا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۷) هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (۳۸) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۳۹) (ملاحظہ ہو ابن مریم اور پرویز صفحہ ۱۸ تا ۲۰)

" تو اسے (مریمؑ کو) اس کے رب نے بحسن و خوبی قبول کر لیا۔ اور اسے نہایت حسن و عمدگی کے ساتھ بڑھایا اور اسے زکریاؑ کی نگرانی میں پہنچا دیا۔ جب کبھی زکریاؑ محراب (عبادت گاہ) میں اس (مریمؑ) کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس کوئی رزق (کھانے کی چیز) پاتے وہ کہتے "اے مریم! یہ تمہیں کہاں سے مل گئی؟" اور وہ جواب دیتیں یہ اللہ کے پاس سے مل گئی ہے شک اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے (۳۷) اس مقام پر زکریا نے اپنے رب کو پکارا اور کہا میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بخش، بیشک تو ہی دعا قبول فرمانے والا ہے (۳۸) وہ محراب میں کھڑا دعا کر رہا تھا کہ فرشتوں نے اسے ندا دی کہ اللہ تجھے یحییٰؑ (کے تولد کی) خوشخبری دے رہا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا سردار،

عورتوں سے اختلاط نہ کرنے والا اور صالحین میں سے ہوگا (۳۹) انہوں نے کہا "اے میرے رب! اس حالت میں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی نپٹ بانجھ ہے۔ ۳؎ (صفحہ ۱۹)

حاشیہ (۳؎) یہاں عربی میں لفظ عَاقِر آیا ہے۔ پرویز صاحب نے اس کے معنے بانجھ کئے ہیں (دیکھئے شعلہ مستور صفحہ ۱۱ و لغات القرآن صفحہ (۱۱۸) حالانکہ یہ ہر بانجھ عورت کے لئے نہیں بولا جاتا، مادی اصل کی بناء پر یہ ایسی بانجھ عورت کے لئے مستعمل ہوتا ہے جس میں جڑ سے ولادت کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ عقر کا مادہ تمام کا تمام اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔ مفردات میں عَقَرْتُ النخل کے معنی لکھے ہیں "میں نے کھجور کے درختوں کو جڑ سے کاٹ دیا"۔ قرآن مجید میں عقر اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لئے استعمال ہوا ہے اس عمل کے بعد اونٹنی کھڑی نہیں ہو سکتی اور مر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اونٹنی کو نحر کرنے کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایسی بانجھ عورت جس کا علاج ہو سکے عَقِیْم" کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت اخلاط مزاج کے عدم اعتدال سے پیدا ہوتی ہے اور اعتدال پر لانے سے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں عاقر اور عقیم کا یہ فرق ملحوظ ہے عرب والے جب کسی عورت کو بد دعا دیتے ہیں تو "عقریٰ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی خدا کرے تو نپٹ بانجھ رہے، لیکن پرویز صاحب باوجود "لغات القرآن" کی تالیف کے اس فرق کو واضح نہیں کرتے۔ یہ تساہل نہیں۔ بلکہ اس میں بھی ایک مصلحت کار فرما ہے۔" (صفحہ ۲۰)

اس عجیب منطق پر، جس سے طاہر سورتی مرحوم نے کام لیا ہے، جس قدر افسوس کیا جائے، کم ہے۔ کھجور کے درختوں کو جڑ سے کاٹنے یا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کا عورت کے نپٹ بانجھ ہونے یا محض بانجھ ہونے سے کیا تعلق ہے؟ المنجد نے عقرت المرأة او الناقة کا معنی صارت عاقراً ای حبس رحمها فلم تلد لکھا ہے یعنی عورت یا اونٹنی کا رحم کی بندش کی وجہ سے بانجھ ہو کر نہ جننا ہے اور العاقر کا معنی المرأة لا تلد یعنی نہ جننے والی (بانجھ) عورت بتایا ہے۔ تفسیر خازن نے وامرأتی عاقر کا معنی لکھا ہے عقیم لا تلد یعنی میری بیوی بانجھ ہے اور مدارک التنزیل و حقائق التاویل نے لم تلد لکھا ہے۔ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے۔ لہٰذا موصوف کا یہ دعویٰ کہ عاقر اس عورت کو کہتے ہیں جس کا علاج نہ ہو سکے صحیح نہ رہا کیونکہ قرآن مجید میں عاقر کی اصلاح کا لفظ لایا گیا ہے۔

قرآن مجید سے بھی طاہر سورتی مرحوم کے استدلال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے:

فاستجبنا له ووهبنا له يحيىٰ واصلحنا له زوجه (الانبیاء 90:21) (سو ہم نے انکی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ (فرزند) عطا فرمایا اور انکی خاطر انکی بیوی کو (جو بانجھ تھیں اولاد کے قابل کر دیا) ترجمہ اشرف علی تھانوی مرحوم) حضرت زکریا کی بیوی کی اصلاح کا سیدھا سادھا

مطلب یہ ہے کہ اس کا بانجھپن دور کر دیا۔ یعنی زکریاؑ کے ہاں اولاد نہ ہونے کی وجہ انکی بیوی کا بانجھ پن تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رکاوٹ دور کر کے انہیں یحییٰ عطا فرمایا۔ بانجھ پن کی رکاوٹ علاج طلب تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ علاج حضرت زکریاؑ کو بھا دیا جس سے بانجھ پن دور ہو گیا۔ اور حضرت زکریاؑ کو بھی تندرست کر دیا۔ (مریم19:10)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (۴۰) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ (۴۱)

" میرے لڑکا کیوں کر ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ اے زکریا جو کچھ تو نے کہا واقع ایسا ہی ہے۔ ؏ اللہ جو کچھ چاہتا ہے کر دیتا ہے (۴۰) انہوں نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی بنا دیجئے فرمان ہوا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا بات نہیں کریگا اور اپنے رب کا ذکر کرو اور صبح شام اس کی تسبیح و تقدیس کا اعلان کرو۔ (۴۱)

حاشیہ(؏) " یہاں پرویز صاحب کے ترجمہ میں کذلک کا ترجمہ ہی اڑا دیا گیا ہے شاید یہ قرآن مجید کی اصلاح ہے اس لئے کہ ان کے خیال میں قرآن مجید بہت سے الفاظ زائد بھی لے آتا ہے جو کچھ معنی نہیں رکھتے، حالانکہ لفظ کذلک یہاں ایک عظیم الشان قوت رکھتا ہے۔ اس کے ذریعہ حضرت زکریا کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ بات ویسی ہی ہے جو تو کہہ رہا ہے یعنی واقعی تو بوڑھا ہو چکا ہے۔ اور تیری بیوی نپٹ بانجھ ہے مگر اللہ اپنی مشیت سے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ یہاں کذلک کا آخری "ک" حضرت زکریا کے لئے آیا ہے اور ان کی مذکورہ بات کی تائید کر رہا ہے۔" (صفحہ ۲۰)

ہو سکتا ہے، پرویز مرحوم سے کذلک کا ترجمہ رہ گیا ہو۔ بدظنی مناسب نہیں کذلک اللہ یفعل ما یشاء ایک مکمل جملہ ہے۔ لہذا اس کا مفہوم وہ نہیں، جو طاہر سورتی نے بیان کیا ہے، بلکہ یہ ہے:

"میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا، حالانکہ میں اس بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے (یعنی کیا ان رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے گا؟) اس پر اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ اللہ جس (بیٹے) کو بنانا چاہے اسے اسی طرح بنا دیتا ہے، جیسا تیرے سوال سے ظاہر ہے۔ (یعنی رکاوٹیں دور کر دیتا ہے) یہ مفہوم نہیں کہ تیری بیوی بانجھ ہی رہے گی اور تجھے بیوی سے مباشرت کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر طاہر سورتی اس قسم کا تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ زکریاؑ اور انکی بانجھ بیوی کی جھولی میں بیٹا ڈال دیں گے، تو اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا۔ یہ تو سنت اللہ کی خلاف ہے یحییٰ حضرت زکریاؑ اور انکی بیوی کا بیٹا تبھی ہو سکتے ہیں، جب یہ دونوں ان کے والدین ہوں۔ جھولی میں ڈالا ہوا بچہ اپنے

ماں باپ کا بیٹا نہیں کہلا سکتا، اگر وہ انکے والد اور والدہ نہ ہوں۔

تفسیر خازن نے انی یکون لی غلام --- الخ کا معنی یہ لکھا ہے من ای جھة یکون لی الولد ، ایکون بازالة العقر عن زوجتی ورد شبابی علیّ او یکون ونحن علی حالنا من الکبر و الضعف؟ (یعنی میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا، کیا میری بیوی کا بانجھ پن دور کر کے اور میری جوانی لوٹا کر یا اسی طرح ہمارے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت میں؟") حضرت زکریا نے یہ دوسری بات یعنی "اسی طرح ہمارے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت میں" نہیں کہی ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جنسی کمزوری اور بانجھ پن کے نقص کے موجود ہوتے ہوئے مجھے لڑکا دیا جائے گا؟ جنسی عمل کے بغیر وہ والد نہیں ہو سکتے اور بانجھ پن کے ساتھ انکی بیوی حاملہ ہی نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہو سکتا تو اللہ تعالی واصلحنا له زوجه نہ فرماتے۔ ملاحظہ ہو آیت (الانبیاء 21:90) جس کا ترجمہ اوپر گزر چکا۔ بانجھ پن قابل علاج مرض ہے، جبکہ نپٹ بانجھ دائمی ہوتا ہے۔ اور یہاں جیسا کہ المنجد اور تفسیر خازن اور مدارک التنزیل وحقائق التاویل سے ثابت کیا گیا ہے، جس بانجھ پن کا ذکر کیا گیا وہ قابل علاج وقابل اصلاح تھا۔ واصلحنا له زوجه (ہم نے زکریا کی بیوی میں زکریا کے لئے (جننے کی) صلاحیت پیدا کر دی) سے ثابت ہوتا کہ وہ بھی اولاد کے قابل بنائے گئے۔ ان کے اندر خواہش کی ایک رو پیدا ہو گئی۔ اور وہ جوش وشوق سے شکر گذاری کرنے لگے اور تین دن رات تندرست ہو کر دنیا کی باتوں سے محترز رہے۔

آل عمران کی آیت نمبر 37 اور 38 سے واضح ہے، کہ ہیکل میں حضرت مریم کے نگران حضرت زکریا تھے، انہوں نے جب کئی بار دیکھا کہ حضرت مریم کو انکی غیر حاضری میں کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پہنچائی جارہی ہے تو انہوں نے حضرت مریم سے پوچھا کہ یہ کھانے کی چیزیں انہیں کہاں سے ملتی ہیں۔ اس کے جواب میں اس بھولی بھالی لڑکی نے بتایا کہ اللہ تعالی سے۔ اس پر حضرت زکریا نے محسوس کر لیا کہ یہ کام بدنیت موالی کر رہے ہیں۔ وہ بوڑھے تھے، اپنی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے ان شریر موالی کے خوف کے باعث اللہ تعالی سے بیٹے کی دعا کی۔ سورہ مریم سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، جہاں انہوں نے فرمایا: انی خفت الموالی من وراءی: مجھے اپنے بعد وارثوں سے خوف ہے (مریم 19:5، ترجمہ طاہر سورتی مرحوم)

اب کتاب ابن مریم اور پرویز کے صفحات ۲۱ تا ۲۳۔

واذ قالت الملئکة یمریم ان اللہ اصطفک وطھرک واصطفک علی نسآء

الْعٰلَمِيْنَ (۴۲) يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ(۴۳) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ص وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ(۴۴) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

"اور جب فرشتوں نے کہا۔اے مریم اللہ نے تجھے منتخب فرمالیا اور تمام آلودگیوں سے تجھے پاک کردیا اور تمام جہانوں کی عورتوں میں سے تجھے چن لیا ہے(۴۲) اے مریم !پوری توجہ سے اپنے رب کی اطاعت میں منہمک ہوجا اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر(۴۳)(اے رسول)یہ واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسکی اطلاع ہم تجھے بذریعہ وحی دے رہے ہیں۔اور (اے رسول)تو اس موقع پر انکے پاس موجود نہ تھا جب وہ قرعہ اندازی کے ذریعہ یہ طے کر رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کریگا۔اور تو اس موقع پر بھی ان کے پاس نہ تھا جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے (۴۴)اور وہ موقع جب فرشتوں نے مریم سے کہا بیشک اللہ تجھے اپنی طرف سے (ایک)کلمہ ۵ کی بشارت دیتا ہے"

(باقی حاشیہ نمبر ۵ اور اس پر تبصرہ کے بعد ملاحظہ فرمائیں)

حاشیہ(۵) کَلِمَة کے معنی پرویز صاحب نے کلام یا بات کئے ہیں اور اپنی لغات القرآن(صفحہ ۱۱۵۴) میں اس آیت کے معنی کئے ہیں۔"خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوش خبری دیتا ہے" واضح رہے کہ خوشخبری خود بات ہوتی ہے۔"ایک بات کی خوشخبری دینا" عامیانہ انداز کلام ہے اسے اگر اپنی حد تک محدود رکھا جاتا اور اللہ سے منسوب نہ کیا جاتا تو مناسب تھا،اگر ذرا توجہ فرمائی جاتی تو اس کا صحیح ترجمہ بھی کیا جاسکتا تھا۔ملاحظہ فرمایئے شعلہ مستور صفحہ ۱۱ پر حضرت یحیٰی کے بارے میں اسی" مصدقا بکلمة من الله" کا ترجمہ پرویز صاحب کرتے ہیں "خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور کی تصدیق کرنے والا"یعنی یہاں کلمة کے معنی بات یا کلام نہیں بلکہ"خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور" کے ہیں اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا ہونے والا ظہور تھا جس کی تصدیق حضرت یحیٰی فرمارہے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ ہیں بات صاف ہوجاتی ہے کہ یہاں بکلمة منه اور بکلمة من الله سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہی ہیں۔تصریف آیات تو بہترین مفسر ہے۔

اب رہی بات کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو" کلمة" کیوں کہا تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ عربی لغت اور خود قرآن میں"کلمة" کن کن معنوں میں آیا ہے۔پرویز صاحب نے اپنی لغات القرآن میں کلمة کے معنی بلفظ، بات، جملہ، قصیدہ،خطبہ اور امر بتائے ہیں۔اگرچہ ان معانی کے علاوہ بھی یہ لفظ قرآن مجید اور لغات عربیہ میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً کلمة کے معنی طے شدہ فیصلہ،قضیہ،معجزہ قرآن سے ثابت ہیں۔لیکن جناب پرویز صاحب منکرِ معجزات بھی ہیں للہذا اس باب میں سہولت پیدا کرتے ہوئے ہم سردست معجزہ کے معنی ختم کردیتے ہیں اور اس آیت میں"کلمة" سے مراد لیتے ہیں حکم الٰہی کا اللہ کا طے شدہ فیصلہ یعنی فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک طے شدہ فیصلہ یا حکم کی بشارت دیتا ہے۔لغت کے عالم راغب (اور یہ وہی راغب ہیں جن کے حوالے بار بار آپ پرویز صاحب کی لغات القرآن میں

دیکھیں گے "کلمة الله" کے متعلق یوں لکھتے ہیں:۔

"کلمة من الله سے مراد کلمۂ توحید بتایا گیا ہے اور کتاب اللہ بھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں اور اس آیت میں نیز آیت کَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ (۴/۱۷۱) میں حضرت عیسیٰ کو کلمة اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ حرف کن کے ذریعہ وجود میں لائے گئے ہیں جس کا ذکر "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" میں ہے بعض کا خیال ہے کہ انہیں کلمة اس لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح کلام اللہ سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اسطرح ان سے بھی لوگوں کو ہدایت ملتی ہے بعض کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اس خصوصیت کی بنا پر جو بچپن میں انہیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوئی تھی کہ گود میں وہ گویا ہوئے تھے اور کہا تھا" اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ ... الآیة "انہیں کلمة الله کہا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ نبوت ملنے کی وجہ سے انہیں "کلمة الله" کہا گیا ہے جس طرح آنحضرتؐ کو ذِکْرًا رَّسُوْلًا (۶۵/۱۰،۱۱) کہا گیا ہے۔" (دیکھئے مفردات راغب مادہ کلم صفحہ ۴۵۵) الغرض یہ آیات کھول کر بتا رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو ان کی بعض خصوصیات کی بنا پر یا پھر اللہ کے طے شدہ فیصلہ کے مطابق ان کی پیدائش واقع ہونے پر انہیں کلمة الله کہا گیا ہے۔ پرویز صاحب نے شعلہ مستور میں صفحہ ۹۸ پر "کلمہ کے معنی" کے عنوان سے طویل بحث کی ہے اس میں "کلمة الله" سے مراد اللہ کا قانون لیا ہے مگر اس سے بات صاف نہیں ہوتی حضرت عیسیٰ ہی کو کلمة الله کیوں کہا گیا، اس معنے میں تو ہر نبی کلمة الله ہے۔

پرویز صاحب کی ساری بحث پڑھ جایئے وہ قارئین کے سامنے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے نہیں لانا چاہتے بلکہ اپنے عقیدہ کے مطابق سب کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے پوری بات صاف نہیں کرتے، ہم قارئین کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ مسئلہ کو سمجھنے کے لئے تمام پہلوؤں پر نیز قرآن مجید کے عربی الفاظ میں غور کریں اور اس اہم مسئلہ میں کسی مُلّا پر خواہ وہ کسی "مجدد" ہی کے روپ میں کیوں نہ ہو اعتماد نہ کریں البتہ ان علامات سے استفادہ کریں جو سند ہیں۔ (صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

اس طویل گفتگو میں مختلف پہلوؤں پر بحث کے باوجود طاہر سورتی مرحوم کلمة کا کوئی ایک مفہوم متعین طور بتانے سے قاصر رہے ہیں، حتیٰ کہ ترجمہ میں بھی کلمة کو کلمہ ہی لکھا ہے لیکن پرویز مرحوم پر تنقید کو ضروری سمجھا ہے۔ بہرحال "یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ" میں کلمہ سے مراد بیٹا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ (یعنی کلمہ کن) سے پیدا ہوگا۔ ہر بیٹا (اور بیٹی) اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے پیدا اور اس کے پاس سے ہی آتا ہے۔ پہلے کثیر تعداد میں اسپرمز (sperms) تیار ہوتے ہیں ان میں سے ایک اسپرم جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، نطفہ میں لاکر علقہ وغیرہ بنادیتا ہے۔ یہ اسپرمز بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہی تیار ہوتے ہیں، وہ انہیں اپنی مرضی سے بھیجتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنی بیوی کو اولاد نہ دے سکتا۔ لہذا آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ: "اے مریم! اللہ تجھ کو اپنی طرف سے صادر ہونے والے ایک حکم کی

خوش خبری دیتا ہے جس کی رو سے تیرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔" یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے "کن" کہنا ہے۔ یعنی "ہو جا" اور جس کام کے لئے یہ حکم کیا جاتا ہے وہ (اس کے قواعد کے مطابق) ہو جاتا ہے۔

اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ دیتا ہے ٦ اس کا نام مسیح (ملاحظہ ہو دین مریم اور پرویز کا صفحہ ۲۳ باقی حاشیہ 6 کو اس پر تبصرے کے بعد)

حاشیہ (٦) پرویز صاحب نے شعلہ مستور صفحہ ۳۴ میں "يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ" کے معنی تجھے اپنے کلام کے ذریعہ ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے، کئے ہیں جو قرآنی استعمال اور لغوی استعمال کے لحاظ سے بالکل غلط ہیں۔ دراصل بَشَّرَ کے بعد "ب" کے صلہ سے خود اس چیز کو بتایا جاتا ہے جس کی خوشخبری دی جاتی ہے نہ کہ جس کے ذریعہ خوشخبری دی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں بطور طنز ہے "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" "انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے (۳۱/۷) تو یہاں یہ مفہوم غلط ہوگا کہ انہیں دردناک عذاب کے ذریعہ خوشخبری دے دیجئے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ ہم نے اسے ایک لڑکے کی خوشخبری دی (۱۰۱/۳۷) یہاں بھی اس کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ ہم نے اسے ایک لڑکے کے ذریعہ خوشخبری دی گویا بَشَّرَ کے بعد "ب" ذریعہ کے لئے نہیں بلکہ بمعنی "کی" استعمال ہوتا ہے یہی اس "ب" کے صحیح معنے ہیں، خود اسی کتاب یعنی شعلہ مستور کے صفحہ ۱۰ پر پرویز صاحب نے "اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى" کے معنی لکھے ہیں "خدا تمہیں یحییٰ کی (یعنی ایک لڑکے کی جو پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام یحییٰ رکھا جائے) بشارت دیتا ہے"۔ یعنی یہاں پرویز صاحب نے اس ب کے معنی "کی" کئے جو درست ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خود مذکورہ بالا آیت۔ يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ کا ترجمہ پرویز صاحب جب اپنی لغات القرآن میں کرتے ہیں تو وہ شعلہ مستور کے خلاف ہے۔ وہاں اُنہوں نے اسی يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ کے معنی کئے ہیں "خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوشخبری دیتا ہے۔" (دیکھئے لغات القرآن حصہ سوم صفحہ (۱۴۵۴) مادہ ک ل م اور اس ب کے یہ زیادہ درست معنی ہیں "ذریعہ کے معنی بھی سازش کے تحت نہیں بلکہ مغربی سازش کے تحت کئے گئے ہیں قرآن مجید میں ایک جگہ بھی بشر کے بعد یہ "ب" ذریعہ کے معنی میں نہیں آیا، پھر یہ قرآن کی حدود میں محدود رہنے والا کہاں سے یہ معنی کر گیا۔ یہ مسئلہ نفسیاتی ہے، دراصل جب کسی کے دل و دماغ میں ہم آہنگی نہ ہو۔ شعور اور تحت الشعور میں اختلاف ہو تو اسی قسم کے نتائج نکلتے ہیں۔ (صفحہ ۲۱ - ۲۴)

طاہر سورتی مرحوم کی یہ "مغربی سازش کے تحت" یا "یہ مسئلہ نفسیاتی ہے" والی باتیں محض سوء ظن ہیں، انہیں چاہیئے تھا کہ مغربی سازش کی نشاندہی کرتے، نفسیاتی مسئلہ تو ان کا اپنا بھی ہے۔ انہوں نے پہلے پرویز صاحب کے ترجمہ "خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوشخبری دیتا ہے" کو عامیانہ اندازِ کلام قرار دیا پھر آگے چل کر اسے درست تسلیم کیا، کیونکہ اسی ترجمہ کے متعلق لکھا کہ "اس "ب" کے یہ درست معنے ہیں۔"

جہاںتک پرویز صاحب کے ترجمہ "تجھے اپنے کلام کے ذریعے ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے" کا تعلق ہے، جسے طاہر سورتی مرحوم قرآنی اور لغوی استعمال کے لحاظ سے بالکل غلط قرار دیا ہے تو آیت میں لڑکے کا ہم معنی کوئی لفظ موجود نہیں لیکن حضرت مریمؑ نے درست طور پر کلمۃ منہ سے "ولد" (بطریق متعارف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جانے والا لڑکا) سمجھا جیسا کہ بشارت سن کر ان کے اس قول سے واضح ہے انی یکون لی ولد (میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا) اور چونکہ "کلمۃ منہ" سے مراد بھی یہی تھی اسلئے اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم میں اسمہ میں ضمیر مجرور "ہ" مذکر لائی گئی حالانکہ کلمہ کا لفظ مؤنث ہے، منہ کیوں کہا گیا تو جیسا کہ پہلے بھی تشریح کی جا چکی ہے ہر بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے پاس سے ہی آتا ہے بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے وجود میں آتی ہے لہٰذا مفسرین کا یہ کہنا جن میں طاہر سورتی مرحوم بھی شامل ہیں کہ عیسیٰ "بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اسلئے کلمۃ منہ استعمال کیا گیا ہے" ایک بودا استدلال ہے کیونکہ اس طرح تو ہر انسان کو بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا چاہئے۔ کلمۃ منہ کا معنی اس (اللہ تعالیٰ) کا ایک کلمہ ہے (کلمہ نکرہ ہے) جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اکیلے ہی کلمۃ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں سے ایک تھے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات لا تعد ولا تحصی ہیں، پرویز مرحوم کا ترجمہ تشریحی ہے، "ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے" میں ب کا معنی "کی" موجود ہے۔ جو اگر "تجھے اپنے کلام کے ذریعے کے بجائے" "تجھے اپنے کلام کے ذریعے پیدا ہونے والے ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے" ہوتا تو امید ہے طاہر سورتی مرحوم کے لئے قابل قبول ہوتا۔ ہو سکتا ہے یہ "پیدا ہونے والے" کے الفاظ غلطی سے یا سہواً رہ گئے ہوں۔

آگے بڑھنے سے قبل کچھ باتیں وضاحت طلب ہیں۔ فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ اللہ نے انہیں (انکے دلی اخلاص کی وجہ سے) چن لیا اور شیاطین سے بچا کر اور چھڑا کر تمام عورتوں کے لئے نمونہ بنانے کو ان پر منتخب کیا ہے۔ جب وہ بالغ ہوئیں تو ہر مجاور کی خواہش ہوئی کہ وہ ان کا کفیل اور سرپرست بنے اس مقصد کے لئے انہوں نے قرعہ اندازی کی، لیکن خود ہی اس پر متفق نہ ہونے کی وجہ سے جھگڑنے لگے۔ حضرت مریمؑ ان کے شر سے بچنے کی دعائیں مانگتی تھیں، اس موقع پر فرشتوں نے انہیں اللہ کے حکم، ارادہ اور وعدہ سے پیدا ہونے والے بیٹے کی خوشخبری دی، جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا (یعنی اللہ کی ایک خادمہ کا بیٹا ہوگا) جو دنیا اور آخرت میں با آبرو اور یکے از مقربین ہوگا، بچپن میں لوگوں سے (ذہین ہونے کی وجہ سے اپنی سمجھ کے مطابق نیکی کی) باتیں کرے گا اور بڑی عمر میں (نبی بنائے جانے اور کتاب دیئے جانے کی وجہ سے دعوت و رسالت کی) باتیں کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا۔ ادھیڑ عمر میں باتیں کرنا انکا ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے وفات نہ پانے سے

کنایہ بھی ہے۔ ذہین بچے چھوٹی عمر میں اچھی اور بامعنی باتیں کیا کرتے ہیں، مسیح حضرت عیسیٰ کا لقب، عیسیٰ نام اور ابن مریم کنیت ہے۔ وہ اس کنیت سے مشہور ہوئے۔

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عیسی ابن مریم ؎ ہوگا۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۲۴)

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ (۴۵) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ (۴۶) (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۲۵)

وہ دنیا و آخرت (دونوں) میں منفرد و باوقار ہوگا اور مقربین (الٰہی) میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے گہوارہ میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرے گا اور صالحین میں سے ہوگا (۴۶)

حاشیہ (؎) قرآن مجید میں کہیں کسی کا نام اس طرح مذکور نہیں ہے، جہاں کسی نبی کا نام اسمہٗ کے بعد آیا ہے۔ وہاں صرف اس کا نام مدرج ہے۔ مثلاً اِسْمُهٗ يَحْيٰى (اس کا نام یحییٰ ہے) (۱۹/۷) اور وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ، اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا (۶۱/۶) لیکن یہاں بچہ کی پیدائش سے قبل ہی اس کے نام کے ساتھ ہی بتادیا کہ وہ مریم کا بیٹا ہوگا یاد رکھئے یہ بے سبب اور بے حکمت نہیں کہا گیا۔ اللہ نے حضرت مریم کو بیٹے کی خوشخبری کے وقت ہی کہہ دیا کہ یہ بیٹا تیری طرف منسوب ہوگا۔ پرویز صاحب نے رینان کا جو قول نقل کیا ہے اس میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ باپ بچپن ہی میں مرگئے تھے۔ اور حضرت مریم نے ان کی پرورش کی تھی۔ اس لئے ابن مریم کہلائے، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہاں قرآن مجید کی تصریح اور کہاں رینان کی توجیہ و تاویل؟ قرآن کتنی صراحت سے بتارہا ہے کہ عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہی خبر دے دی گئی کہ یہ بیٹا اپنی ماں کا ہوگا (باپ کا نہیں) لیکن جناب پرویز حقائق سے آنکھیں بند کئے اپنے عقائد واہیہ میں مگن ہیں۔ قرآن مجید کچھ اور کہہ رہا ہے اور وہ کچھ اور۔ اس بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دینا تصریح ہے کہ بچہ بغیر باپ کے ہوگا اور اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے کی تصریح نہیں ملتی کس قدر غلط ہے۔ (صفحہ ۲۴-۲۵)

حضرت عیسیٰ کے باپ کا ذکر تو آیہ کریمہ (الانعام 6:87) مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ میں موجود ہے۔ یہ آیت مع تشریح پہلے پیش کی جاچکی ہے۔ اس کے علاوہ تمام انسان، پہلی پیدائش کے بعد، ایک مرد اور عورت سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں اور اس قاعدہ اور فطری قانون سے کسی بھی شخص کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا لہٰذا حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی طرح بھی قابل تصور نہیں۔ المسیح عیسیٰ ابن مریم حضرت عیسیٰ کا وہ نام ہے جس سے وہ مشہور ہوئے۔ اس سے یہ مفہوم اخذ کرنا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے قطعاً غلط ہے۔ طاہر سورتی مرحوم کا یہ کہنا کہ "وہ مریم کا بیٹا ہوگا"، "یہ تیری طرف منسوب ہوگا"، "یہ بیٹا اپنی ماں کا ہو

گا(باپ کا نہیں)'' اور'' اس بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دینا تصریح ہے کہ بچہ بغیر باپ کے ہوگا''، سب محض مغالطہ آفرینی ہے۔ آیت میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ ''اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا''۔ یہ ترجمہ خود طاہر سورتی مرحوم کا ہے، اس سے یہ مفہوم کیسے نکلتا ہے کہ وہ مریم (اکیلی) کا بیٹا ہوگا، مریم سے منسوب ہوگا، ماں کا ہوگا (باپ کا نہیں) اور بچہ بغیر باپ کے ہوگا؟ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ وہ مریم کا بیٹا کہلائے گا۔

حاشیہ(۸) پرویز صاحب شعلہ مستور کے صفحہ 24 میں یکلم الناس فی المھد و کھلا کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں "اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں کلام کرے گا۔"

یہ مھد اور کھل کا غلط اور غیر دیانتدار ترجمہ ہے۔ عربی میں پرویز صاحب کی اس اردو کا ترجمہ اس طرح ہوگا ویکلم فی الصغر و الکبر "پھر اس ترجمہ میں ایک اور تحت الشعور عقیدہ کی بنا پر جناب پرویز صاحب نے" الناس" کا ترجمہ ہی اڑا دیا جس کے معنی ہیں "لوگ" دراصل ایسی عمر میں جب کہ بچے پالنے میں رہتے ہیں، بچوں سے نہیں بلکہ لوگوں سے سنجیدہ قسم کی باتیں کرنا ایک قابل غور بات ہے اور پرویز صاحب کے ذہن میں ایسا ہونا خلاف عقل ہے لہٰذا ایسے مواقع پر وہ قرآن مجید کی تاویل ہی نہیں بلکہ الفاظ کے غلط معنے بھی کر دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں وہ پورے لفظ کو غائب بھی کر دیتے ہیں چونکہ ہمارا موضوع نہ کلام ہے نہ مھد و کھل لہٰذا یہاں ہم اسی اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ (صفحہ: ۲۵)

سوال یہ ہے کہ جب بچہ پالنے میں ہو تو کیا وہ اس کا بچپن نہیں ہوتا۔ تفسیر خازن نے ویکلم الناس فی المھد کا مفہوم ویکلم الناس صغیراً (وہ لوگوں سے بچپن میں باتیں کرے گا۔) لکھا ہے اور تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل نے ویکلم الناس طفلا لکھا ہے۔ اس کا معنیٰ بھی وہی ہے جو ویکلم الناس صغیرا کا ہے۔ کھل کا "بڑی عمر میں" ترجمہ بھی غلط نہیں۔ ادھیڑ عمر بڑی عمر ہی ہوتی ہے۔ بچپن میں لوگوں سے باتیں کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ذہین ہوگا، اچھی اور بامعنی باتیں کرے گا اور۔ کھلا۔۔۔(بڑی عمر میں) لوگوں سے باتیں کرے گا کا مفہوم یہ ہے کہ دعوت اور رسالت کی باتیں کرے گا، کیونکہ صاحب کتاب ہوگا اور نبی ہوگا۔ اگر پرویز مرحوم نے الناس کا ترجمہ نہیں کیا تو اسے سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ(۴۷)

وہ بولیں اے میرے رب! میرے لڑکا کیوں کر ہوگا۔ حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا ہی نہیں ارشاد ہوا'' اے مریم تو نے جو کچھ کہا بات اسی طرح ہے۔ ۹ اللہ جو کچھ چاہتا ہے بنا دیتا ہے، جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔(۴۷)

حاشیہ ۹ یہ کَلٰلِکِ کا ترجمہ ہے اس میں کِ (زیر والا کاف) حضرت مریم کے لئے ہے اسی کا ترجمہ پرویز صاحب نے صفحہ ۵ پر یوں کیا ہے: ''ارشادِ الٰہی ہوا کہ اسی طرح اللہ اپنی مشیت کے مطابق پیدا کر دیتا ہے۔''

جیسا کہ ہم کَلٰلِکَ کے تحت بتا چکے ہیں یہ لفظ اپنے ماقبل کلام کی پوری تائید کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں کَلٰلِکِ میں کِ (زیر والے کاف) سے حضرت مریمؑ کو خطاب کیا گیا ہے (یعنی حضرت مریمؑ نے جو کچھ پہلے کہا اللہ ان کی بات کی پوری تائید فرماتے ہوئے بتا رہا ہے کہ واقعی اے مریم تجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں لیکن اللہ ان ہی حالات میں جو چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔

اگر جناب پرویز، کَلٰلِکِ کی صحیح لغوی تشریح فرماتے تو اُن کی دور از حقیقت خیال آفرینیوں کے لئے گنجائش نہ نکلتی۔ افسوس! پرویز صاحب اپنی حدود فراموشیوں، اور جدّت طرازیوں کو عالمانہ فضل و کمال کی دلیل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہر جدّت حسن نہیں ہوتی۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۲۶)

معذرت! اگلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں۔

مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ان میں سے کوئی گروہ ایسا ہو جو دانش دین و قرآن سے آراستہ ہو (توبہ 123)

دانشوران قرآن

رحمت اللہ طارق

جس میں ہزاروں قد آور دانشوروں میں سے 390 ایسے دانشوروں کے سوانحی خاکے دیئے گئے ہیں، جنہوں نے خدمت قرآن میں عمریں کھپا دیں اور حریفان وحی کے ہاتھوں اذیتیں جھیل کر نام کمایا ـــــ اب کوئی یہ نہ کہہ پائے گا کہ تاریخ اسلام میں سر سیدؒ سے پہلے نہ کسی نے قرآن کی حاکمانہ برتری کا اعلان کر کے قرآن مجید فرقان حمید کے مقابلہ میں فقہ اور حدیث کی دینی حیثیت مجروح کر دی اور نہ ہی ـــــ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کی صدا بلند کر کے حدیثی مسلمات کو آغوش لحد میں سلا دیا۔

10x7.5 سفید (VRG) کاغذ، 280 صفحات بمع تصاویر، قیمت 500 روپے

ادارہ ادبیات اسلامیہ، 1339/3 گلشن آباد، بیرون پاک گیٹ ملتان

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتوں کی طرف سے لڑکے کی بشارت ملنے پر حضرت مریمؑ کا یہ کہنا کہ "اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کیوں کر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا" کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ لڑکا ہونے کے لئے شوہر کا چھونا ضروری ہے، جو یہاں مفقود ہے تو کیا یہ رکاوٹ دور کردی جائے گی؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کہا: اللہ جس (بیٹے) کو بنانا چاہتا ہے اسے اسی طرح پیدا کرتا ہے، جیسا تیرے بیان سے ظاہر ہے۔ (یعنی عدم مس بشر کی رکاوٹ دور کر کے، جہاں تک اس کے اسباب مہیا کرنے کا تعلق ہے) تو اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا تب وہ کام (اس کے قواعد کے مطابق) ہو جاتا ہے۔ اس امر میں ہر کام داخل ہے۔ اس قاعدہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ کوئی شخص یا چیز بغیر "کن" (ہو جا) کے وجود میں نہیں آیا یا آئی۔ اور نہ اب اور آئندہ کبھی اس قاعدہ کے خلاف ہوگا۔ حضرت مریمؑ کے علم میں تھا کہ کسی عورت کے اولاد ہونے کے لئے مرد کا مس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا قانون بھی یہی ہے اور وہ اس کے مطابق ہی جسے بنانا چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔ کذلک اللہ یخلق ما یشاء ایک جملہ ہے دو جملے نہیں، جیسا کہ طاہر سورتی مرحوم نے سمجھا ہے۔ ایک یہ کہ "جو کچھ تو نے کہا بات اسی طرح ہے" اور دوسرا یہ کہ "اللہ جو کچھ چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔" پرویز مرحوم کا ترجمہ "اسی طرح اللہ اپنی مشیت کے مطابق پیدا کر دیتا ہے" اس مفہوم کا حامل ہے کہ اسی طرح اللہ اپنی مشیت کے مطابق (اولاد) پیدا کرتا ہے (جس طرح تو نے بیان کیا ہے یعنی مس بشر کے ذریعے) اس کے بعد طاہر سورتی فرماتے ہیں:

ان آیات سے دس آیتوں کے بعد ہی مندرجہ ذیل آیات بھی متعلقہ موضوع سے متعلق ہیں:

ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ (۵۸) اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۵۹) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ (۶۰)

یہ ہم تجھ پر آیات اور پرحکمت ذکر سے تلاوت کر رہے ہیں (۵۸) بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے، اسے مٹی سے بنایا۔ پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے (۵۹) (یہ) تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (۶۰) (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۲۷)

مگر طاہر سورتی، حسب معمول حاشیہ میں کوئی تشریح نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آدم سے تشبیہ دینے سے کیا مقصود ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ عیسیٰ علیہ السلام مشبہ ہیں اور آدم مُشَبَّہ بِہٖ اور آگے وجہ شبہ بھی مذکور ہے، جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، جسے

مٹی سے تیار کرنے کے بعد کہا گیا کہ ہوتا جا (یعنی بچہ سے لڑکا لڑکے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا جا اور مرنے کے بعد بھی مختلف حالات میں بدلتا جا) چنانچہ وہ آدم (اسی طرح سے) ہوتا جاتا ہے۔ آدم کی اولاد سے عیسٰیؑ پیدا ہوئے، جس طرح دوسرے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ آدم سے ہزاروں سالوں تک آدمی ہی پیدا ہوتے آئے ہیں اور اب بھی آدمی ہی پیدا ہوتے ہیں۔ بیچ میں ایک آدمی خدا کا بیٹا کیسے بن گیا، کیا بنا ہوا بھی خدا ہوتا ہے؟ انسانوں کو بنی آدم بھی کہا جاتا ہے، جس کا معنٰی ہے آدم کی اولاد۔ حضرت عیسٰیؑ بھی ابن آدم تھے۔ انجیل متی 26: 45-46 میں ہے: "دیکھو وقت آ پہنچا ہے، اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اٹھو چلیں، دیکھو میرا پکڑوانے والا نزدیک آ پہنچا ہے۔"

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے: "یہ جو ہم تجھ پر (مریم و عیسٰی علیہما السلام کا بیان) پڑھ رہے ہیں یہ باتیں آیات اور حکمت والے ذکر سے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال آدم کی مثال کے مانند ہے۔ اس (خدا) نے اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اُسے کہا کہ ہوتا جا، سو وہ (آدم اسی طرح سے) ہوتا جاتا ہے۔ تیرے رب کی طرف سے یہی حق ہے، پس تو شک کرنے والوں سے نہ ہونا۔" (آل عمران، 58 تا 60)

اللہ تعالٰی و تسامیٰ نے ہم انسانوں کی پیدائش کو مٹی سے ہی بیان فرمایا ہے، جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت 2 سے واضح ہے: هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلاً ط وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (وہی تو ہے جس نے تم کو گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک اجل کو تمہارے سامنے پورا کر دیا اور اَجَلٌ مُّسَمًّى اس (خدا) کے پاس ہے۔ پھر تم (ہمارے تصرف میں شک کرتے ہو۔) اجل مسمّی وہ میعاد مقررہ ہے جو ہر ایک کی قوت و طاقت کے لحاظ سے مقرر کی گئی ہے، کوئی شخص اس میعاد سے زیادہ زندگی نہیں پا سکتا۔ اگر اس دنیا میں ڈھیل ملتی ہے تو اسی اجل مسمّیٰ تک ہی مل سکتی ہے، لیکن انسانی خطاؤں اور بد پرہیزیوں سے آدمی پہلے بھی فوت ہو سکتا ہے۔ اس اجل کا پورا ہونا لوگ خود بھی معائنہ کر سکتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں آدم سے بنی آدم یعنی پہلی پیدائش کے بعد، سب انسان بھی لئے جا سکتے ہیں، دوسرے لفظوں میں اللہ تعالٰی نے بتایا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش عام انسان کی پیدائش کی طرح ہوئی، جس طرح پہلی پیدائش کے بعد تمام انسان ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں، اسی طرح عیسٰی علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا نہیں ہوئے، اور یوں قرآن مجید میں کوئی تضاد نہ

ہونا ثابت ہوجاتا ہے،اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایاَ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الاِ نْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (۱۲) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (۱۳) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ(۱۴) (المؤمنون23:12تا14)

ترجمہ:"اور بالتحقیق ہم نے انسان کو گارے کے خلاصے سے پیدا کیا ہے،پھر ہم نے اسے محفوظ جگہ میں نطفۃ بنایا پھر ہم نے نطفہ (کے ایک حصہ کو) علقہ بنایا،پھر ہم نے (کسی خاص) علقہ کو مضغہ بنایا،ہم نے اس (کے ایک حصہ) کو ہڈیاں بنایا،پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت (و پوست) سے ڈھانپ دیا۔" یہ مراتب انسان کے جسم کے حالات میں واقع ہونے والے تفاوت ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے نفخ روح کا ذکر کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ(المؤمنون 23: 14) ترجمہ: پھر ہم نے اس کو ایک اور (نئی) پیدائش (یعنی انسان) بنایا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ وہ چیز جس کا نفخ روح سے تعلق ہے وہ ایک اور جنس ہے اور جسم کے حالات میں واقع ہونے والے تغیرات سے، جو پہلے مذکور ہوئے مختلف ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ روح جسم کی جنس سے نہیں، یہ امام رازی کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے، جو امام رازیؒ نے اپنی تالیف "کتاب النفس والروح و شرح قوھما" میں سے لئے گئے ہیں۔امام رازیؒ کا کہنا ہے کہ آیت میں لفظ من ،جسے حرف جار کہا جاتا ہے ابتداء الغایۃ کے لئے استعمال ہوا ہے،اس لئے مفہوم یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء اس خلاصہ سے ہوئی۔مٹی سے نباتات پیدا ہوتے ہیں،ان کے کھانے سے (مرد کے خصیے میں) نطفہ پیدا ہوتا ہے،جسے اللہ تعالیٰ نے قرار مکین (محفوظ جگہ) قرار دیا ہے۔نطفہ کے ایک حصہ کو علقہ بنایا جاتا ہے،اس کا خاص حصہ مضغہ (یعنی نرم بوٹی) میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اس بوٹی کا ایک حصہ ہڈیوں میں اور پھر ان ہڈیوں کو گوشت و پوست سے ڈھانپ دیا جاتا ہے، یہ سامان ایک اور نئی پیدائش (انسان) بنتا ہے، جس میں ایسی روح نمودار ہوتی ہے، جو سوچنے اور صاحب اختیار بننے کے قابل ہوجاتی ہے۔روح اللہ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے اور اسلئے غیر مخلوق نہیں۔

اس کے بعد طاہر سورتی فرماتے ہیں:

یہ ہیں سورۃ آلِ عمران کی وہ آیات جن کا ولادت حضرت مسیح علیہ السلام سے تعلق ہے۔اب ہم سورۃ مریم کی اس موضوع سے متعلقہ آیات درج کرتے ہیں۔یہاں بھی اللہ تعالیٰ پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرما رہا ہے جو نسبتاً سورۃ آل

عمران سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ بعدازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرماتا ہے۔ تسلسل مضمون اورایک واقعہ کا دوسرے سے گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے ہم بھی دونوں قصوں سے متعلقہ آیات درج کرتے ہیں۔

کٓھٰیٰعٓصٓ (۱) ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا (۲) اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا (۳) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا (۴) وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا (۵) یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ق وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (۶) یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (۷) قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (۸) قَالَ کَذٰلِکَ ج قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ لَمْ تَکُ شَیْئًا (۹) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ط قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (۱۰) فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّ عَشِیًّا (۱۱) یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَّ اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (۱۲) وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوةً ط وَکَانَ تَقِیًّا (۱۳) وَّ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا (۱۴) وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (۱۵)

کٓھٰیٰعٓصٓ (۱) تیرے رب کی اس رحمت کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی (۲) جب اس نے آہستہ سے اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہا "اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا ہے اور اے میرے رب! تجھ سے دعا کر کے میں نامراد و بدبخت نہیں رہا (۴) مجھے اپنے بعد وارثوں سے خوف ہے اور حالت یہ ہے کہ میری بیوی نپٹ بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما (۵) جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اسے ہر دلعزیز اور اپنی رضا پر راضی بنانا (۶) (بارگاہ الٰہی سے جواب آیا) اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام نہیں بنایا (۷) انہوں نے کہا اے میرے رب! میرے لڑکا کیونکر ہوگا، جب کہ میرے بیوی نپٹ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے اس حد سے متجاوز ہو گیا ہوں جس میں علاج وصحت کی اُمید کی جاسکتی ہے (۸) ارشاد باری ہوا اے زکریا جو کچھ تو کہہ رہا ہے حقیقت ایسی ہی ہے تیرے رب کا فرمان ہے، وہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں تجھے بنا چکا ہوں حالانکہ تو کوئی شے نہ تھا (۹) انہوں نے کہا "اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی بنا دیجئے ارشاد ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے مسلسل تین رات گفتگو نہیں کریگا (۱۰) سو وہ محراب سے نکل کر قوم کے پاس آیا اور ان کو اشارہ سے بتایا کہ صبح وشام خدا کی تسبیح کرتے رہو (۱۱) اے یحییٰ قوت کے ساتھ کتاب کو تھام لے اور ہم نے بچپن ہی میں اسے حکمت اور قوت فیصلہ دے دی تھی (۱۲) اور اپنی طرف سے اسے بڑا مہربان، پاکباز اور تقویٰ شعار بنایا (۱۳) اور اسے اپنے ماں باپ کے لئے وسیع پیمانہ پر باعث خیر وبرکت بنایا اور وہ

درشت خو اور نافرمان نہیں تھا(۱۴) اور اس پر امن وسلامتی ہوگا وہ دن جس میں وہ پیدا ہوا اور وہ دن جس میں وہ مرے گا اور وہ دن جس میں وہ زندہ اُٹھایا جائے گا(۱۵) (سورہ مریم ۱ تا ۱۵) (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۲۷-۲۹)

طاہر سورتی مرحوم نے ان آیات (مریم19: 1 تا 15) کی کوئی تشریح نہیں فرمائی۔

اس سورہ مریم کی آیت وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِ یْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا(۵) جس کا معنی ہے: اور بلاشبہ مجھے اپنے وارثوں سے جو میرے پیچھے ہیں خوف پیدا ہوا ہے اور میری عورت بانجھ ہے، لہٰذا تو مجھے اپنے حضور سے وارث عطا فرما، کا مطلب ہے کہ حضرت ذکریاؑ نے اپنی غیر حاضری میں، جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے، حضرت مریم کے پاس پہنچایا ہوا کھانا کئی بار دیکھا تو انہوں نے محسوس کیا کہ انکے وارثوں کا چال چلن اچھا نہیں، لہٰذا انہوں نے یہ دعا کی، ان کی خواہش تھی کہ انکے ہاں بیٹا ہو جو انکا اور ماں کی طرف سے آل یعقوب کا وارث ہو اور اللہ اسے پسندیدہ بنادے تا کہ وہ اس تعلیم گاہ کو اس کے حکم کے مطابق چلائے، وہاں عورتوں اور بچوں کو ٹھیک طور پر تعلیم ملے اور انکی تربیت بھی صحیح طور پر ہو۔

حضرت ذکریاؑ مریم کے بچپن میں انکے کفیل بنے تھے۔ سورۃ آل عمران میں ایک اور کفالت کا بھی ذکر ہے جو قلموں کے پھینکنے سے کی گئی تھی، اس وقت مریم بالغہ تھیں، حضرت یحییٰؑ ابھی بچے تھے جیسا کہ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا سے واضح ہے۔ اس موقعہ پر حضرت مریم کو بچہ کی بشارت ہوئی تو انہوں نے کہا تھا کہ انکا تو خاوند نہیں، بچہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ قول اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بالغ ہو چکی تھیں۔ یہاں سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ذکریا کی دعا قبول کرتے ہوئے انہیں حضرت یحییٰ کی بشارت دی تو انہوں نے سوال کیا کہ انکی بیوی بانجھ ہے اور وہ بڑھاپے کی حد کو پہنچ چکے ہیں تو کیا یہ دونوں رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی۔ اس کے جواب میں باری تعالیٰ نے فرمایا: کَذٰلِکَ۔ اسی طرح ہوگا (یعنی رکاوٹیں دور کر دی جائینگی) اور فرمایا یہ کام میرے لئے کچھ مشکل نہیں۔ وہ کوئی ایسی شے نہ تھے جس کا پہلے ذکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کر دیا۔ اس پر حضرت ذکریاؑ نے درخواست کی کہ انکی تندرستی کا کوئی نشان بنادیا جائے۔ انہیں کہا گیا کہ وہ تندرست ہوتے ہوئے تین رات (دن) لوگوں سے کلام نہیں کریں گے، (اور ایک دوسرے مقام پر (سورۃ انبیاء 21:90) یہ بھی ارشاد ہے کہ حضرت ذکریاؑ کے لئے ان کی بیوی کی اصلاح کر دی گئی یعنی انکی بیوی کا بانجھ پن بھی دور کر دیا گیا۔

حضرت یحییٰؑ کی پیدائش کے بعد مناسب عمر کو پہنچنے پر انہیں حکم دیا گیا کہ کتاب کو قوت سے پکڑنا یعنی اس پر ٹھیک طور پر عمل کرنا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ: ہم نے اُسے (بیت المقدس کی) حکومت جوانی میں عطا کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰؑ کو پاکیزگی عطا فرمائی، ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے والا بنایا، وہ نافرمان نہ ہوا، حضرت یحییٰ پر سلامتی تھی جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے تھے اور جس دن زندہ ہو کر اللہ کے آگے (سرخروئی کے ساتھ) پیش ہوئے۔ یعنی وہ ناجائز طریقہ سے پیدا نہیں ہوئے، ان کی وفات تو سعادت مندی اور نیکی پر ہوئی۔

اب طاہر سورتی مرحوم کا سورہ مریم کی آیت 16 کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (١٦)

اور کتاب میں مریم کا ذکر کرو۔ جب وہ اپنے گھر والوں والے سے دور ہو کر کسی جگہ جو مشرق کی جانب تھی چلی گئی۔

حاشیہ (١٠) یہاں اَهْلِهَا کا استعمال غور طلب ہے اس پر اگلے صفحات میں تفصیلی بحث کریں گے یہاں صرف اپنے ذہن میں انتار کھیئے کہ ان کو بچہ اس وقت دیا گیا، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو گئی تھیں اور ان سے حجاب اختیار کر چکی تھیں۔ اگر گھر والوں سے مراد ان کا میکا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور از روئے قرآن اِس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ بفرض محال اگر گھر والوں سے مراد شوہر ہو تب بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر سے حجاب اختیار کر چکی تھیں اور ان سے دور چلی گئی تھیں، تب انہیں بچہ عطا کیا۔ اگرچہ ہم موخر الذکر معنی کو غلط خیال کرتے ہیں، بہر حال ہر دو صورت میں بچہ بغیر باپ کے ہی مل رہا ہے۔ (صفحہ:٢٩)

المنجد نے انتبذعن القوم کا معنی تنحی (قوم سے الگ ہونا) لکھا ہے۔ لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ: "جب مریم اپنے گھر والوں سے گھر کے اندر ایسی جگہ الگ ہوئی، جہاں دھوپ میں بیٹھ سکے، اس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ موسم سرما کے دن تھے۔ اس آیت میں بچہ عطا کرنے یا نہ کرنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں، لیکن طاہر سورتی مرحوم کس اندرونی جوش سے قارئین پر یہ انکشاف کر رہے ہیں کہ "ہر دو صورت میں بچہ بغیر باپ کے ہی مل رہا ہے" پہلے فرمایا

"ان کو بچہ اس وقت دیا گیا جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو گئی تھیں اور ان سے حجاب کر چکی تھیں۔ اگر گھر والوں سے مراد ان کا میکا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ابھی انکی شادی نہیں ہوئی تھی اور از روئے قرآن اس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے"۔

اور پھر فرمایا کہ "بفرض محال اگر گھر والوں سے مراد شوہر ہے تب بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر سے حجاب اختیار کر چکی تھیں اور ان سے دور چلی گئی تھیں تب انہیں بچہ عطا کیا اگرچہ ہم موخر الذکر معنی کو غلط خیال کرتے ہیں۔"

زیر بحث آیت میں نہ تو دور جانے کا ذکر ہے اور نہ حجاب کرنے یا حجاب اختیار کرنے پر دلالت کرنے والا لفظ اور نہ اس وقت کسی بچہ دینے کی کوئی بات ہی کی گئی ہے۔ پھر بغیر باپ کے بچہ دینے کا ثبوت کہاں سے مل رہا ہے؟؟

حجاب اختیار کرنے کا ذکر اس سے اگلی آیت نمبر 17 میں ہے۔ آیت نمبر 17 اور اسکے بعد کی آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جن کے متعلق طاہر سورتی مرحوم کا ترجمہ دیا گیا ہے:

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (١٧) قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (١٨) قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (١٩) قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (٢٠)

"پھر اس نے اپنے گھر والوں کے اس مقام تک پہنچنے کی راہ میں پردہ حائل کر لیا۔ تب ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا جو (مریمؑ) کے سامنے موزوں قد و قامت کا انسانی روپ دھار ⁽¹¹⁾ کر پہنچ گئی (١٧) وہ بولیں اگر تو تقویٰ شعار ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں (١٨) اس (آنے والے) نے کہا۔ میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور تجھے ایک پاکباز لڑکا بخشنے کے لئے آیا ہوں (١٩) وہ بولیں میرے لڑکا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے بشر نے چھوا ہی نہیں اور میں بدکردار عورت بھی نہیں ہوں (٢٠)"

حاشیہ (١١) تَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا کے یہ معنی ہیں کہ وہ روح بشر کے مشابہ روپ اختیار کر کے حضرت مریمؑ کو بشر نظر آنے لگی۔ یہ نہیں کہ وہ واقعۃً بشر ہی بن گئی ہو۔ تَمَثَّلَ کا لفظ تصور میں کسی چیز کے رونما ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔ عموماً خوف کے موقع پر انسان کو تصور میں جو شکلیں نظر آتی ہیں، ان کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس لفظ میں کسی کے مثل اور مشابہ بن جانے کا تصور ہے۔ نفسِ شے (خود وہی چیز نہیں) گویا روح بشر نہیں بن گئی تھی بلکہ بشر جیسی شکل بنا کر نمودار ہوئی تھی۔ یہ خیال کہ وہ بشر تھا اور یوسف ہی تھا بالکل ناقابلِ اعتبار ہے اور اس آیت کے الفاظ سے اسے قطعاً تقویت نہیں پہنچتی۔ القاموس میں مَثَّلَہٗ لَہٗ کے معنی ہیں، کسی کو کسی کے تصور میں دکھانا ایسی شکل بنا دینا کہ جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ یعنی بعینہٖ وہی نہ ہو۔ (صفحہ ٣٠)

طاہر سورتی مرحوم کی مندرجہ بالا تشریح کے مطابق تَمَثَّلَ (ل کے صلہ کے ساتھ) کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ "کسی کے سامنے رونما ہونا دوسرے یہ کہ کسی کے مثل و مشابہ بن جانا"۔ بَشَرًا سَوِيًّا تَمَثَّلَ لَهَا کے فاعل (روحنا) سے حال ہے لہٰذا معنے ہوں گے: 1- چنانچہ وہ (فرستادہ) اس حال میں مریمؑ کے سامنے نمودار ہوا (مریم کے سامنے آیا) کہ وہ ایک تندرست بشر تھا۔ 2- چنانچہ وہ (فرستادہ مریمؑ) کے مثل و مشابہ بنا، اس حال میں کہ وہ ایک تندرست انسان تھا۔ مریم کے مثل و مشابہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھی مریم کی طرح بشارت دی گئی تھی کہ اس کے ہاں مریم سے ایک پاکیزہ بچہ پیدا ہوگا۔ اور اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے مریم سے نکاح کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔مغنی اللبیب عن کتب الا عاریب از جمال الدین ابن ہشام الانصاری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، 73 شارع شیش محل، لاہور، جلد دوم صفحہ 517 طبع اگست 1979ء) نے، جو ایک اعلیٰ پایہ کی نحو کی کتاب ہے، تَمَثَّلَ لَهَابَشَرًا سَوِيًّا کے معنے سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کی ہے، جو یہ ہے کہ جَاءَ نِیْ زَیْدٌ رَجُلاً مُحْسِنًا (زید میرے پاس اس حال میں آیا کہ وہ ایک احسان کرنے والا مرد تھا)، یعنی زید پہلے بھی مرد تھا اور جب میرے پاس آیا تو بھی مرد تھا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ میرے پاس آیا تو وہ ایک احسان کرنے والا مرد تھا۔اسی طرح وہ (سعید) روح جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کے پاس بھیجا تھا، پہلے بھی بشر تھا، جب مریم کے پاس آیا تو وہ ایک تندرست بشر (انسان) تھا۔روح کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے اس کا قرآنی ثبوت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو رُوْحٌ مِنْهُ کہا گیا ہے۔جس طرح حضرت عیسیٰؑ ایک انسان تھے اسی طرح ان کے والد جنہیں زیر بحث آیت میں (روحنا) کہا گیا ہے ایک انسان تھے، اور حضرت مریمؑ کے پاس آنے کے وقت ایک تندرست انسان تھے۔

اوپر جو ترجمہ پیش کیا گیا وہ عربی نحو کے مطابق ہے۔حال کسی فاعل یا مفعول وغیرہ کی حالت ظاہر کرتا ہے، جو کسی فعل کے وقت ہو۔ضروری نہیں کہ اردو میں ایسی حالت اس طرح بیان کی جائے، جس طرح عربی میں اسکے ظاہر کرنے کا اسلوب ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ "ہم نے اپنا ایک نیک روح مریم کی طرف بھیجا، چنانچہ وہ مریمؑ کے پاس پہنچا، وہ ایک تندرست انسان تھا۔"

طاہر سورتی مرحوم کے ترجمہ اور تشریح سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے مریم کے پاس بھیجا تھا وہ کوئی انسان نہیں تھا بلکہ ایک موزوں قد وقامت کا فرشتہ تھا اور انسانی روپ دھار کر ان کے پاس پہنچا تھا اور یہ مریمؑ کو ایک پاکباز لڑکا بخشنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔"ابن مریم اور پرویز" کے صفحہ ۵۹ پر، طاہر سورتی مرحوم نے بتایا ہے کہ یہ فرستادہ ایک فرشتہ تھا۔یعنی "روحنا" جس کا ترجمہ انہوں نے "اپنی روح" کیا ہے، دراصل ایک فرشتہ تھا۔فرشتہ اور انسان، ہم جنس نہیں۔لہٰذا وہ کسی انسانی بچہ کا باپ نہیں بن سکتا۔لیکن طاہر سورتی مرحوم صفحہ ۵۹ پر یہ فرمانے کے باوجود کہ "جب وہ (مریم) اپنے گھر والوں سے دور چلی گئیں تو اُن کو فرشتے نے بچہ دیا" صفحہ ۵۱ پر کہہ آئے ہیں کہ:

"اچھا لیجئے اب ہم قرآن مجید سے وہ تصریحات بیان کرتے ہیں جن سے ہر سمجھدار آدمی یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوگا کہ حضرت مریم نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے قبل شادی نہیں کی تھی اور حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے۔"

اگر فرشتہ نے بچہ دیا تھا تو پھر وہ حضرت عیسیٰ کا باپ کیوں نہیں، کیا یہ کام اس فرشتہ نے نکاح کے بغیر کیا تھا، اسلئے حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے؟ حالانکہ جو بچہ ماں باپ کے نکاح کے بغیر پیدا ہو وہ حلال زادہ نہ سہی، مگر اس کا باپ بھی ہوتا ہے اور ماں بھی۔ کیا وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ اس کام کے لئے بھیجا تھا، اور اسی لئے اس نے انسان کا روپ دھارا تھا۔

افسوس صد افسوس، اس فاضل عربی نے کس قدر عربی قواعد اور انصاف کا خون کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو ہیکل میں فرشتوں کے ذریعے ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دے کر، جسے بنی اسرائیل کا آخری نبی بننا تھا اور ہیکل سے نکلوا کر گھر اس لئے بھجوایا تھا، کہ وہاں ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کے بھیس میں جائے گا اور انہیں کنواری ماں بنا دے گا جس سے اسے قوم کے سامنے رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا اور ہمارے علمائے کرام اسے اللہ کی قدرت کا ایک بے مثل نمونہ بنا کر پیش کیا کریں گے؟؟ اور کہیں گے ان اللہ علی کل شیء قدیر اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش اس کا زندہ ثبوت ہے؟؟

فاضل عربی کی جسارت ملاحظہ ہو وہ صفحہ ۵۱ پر فرماتے ہیں کہ:

"لیکن یہ تصریحات اسی کو نظر آسکتی ہیں جو عربی ادب و لغت سے بہرہ وافر رکھنے کے ساتھ اسالیب قرآن پر گہری نظر رکھتا ہو اور جسے عربوں کے قواعد و مراسم کا اچھی طرح علم ہو۔"

اس کے بعد طاہر سورتی کا حاشیہ بسلسلہ ۱۲ ملاحظہ ہو:

حاشیہ (۱۲) پرویز صاحب نے یہاں "بغیّ" کا ترجمہ "سرکش" کیا ہے جو غلط ہے، ان کا خیال ہے کہ یہودیوں نے حضرت مریم پر یہ الزامات لگائے تھے کہ تم نے شادی کر کے رسم و رواجِ ہیکل (تجرّد کی زندگی) سے سرکشی اختیار کر کے غیر آئینی حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر واقعۃً حضرت مریم نے شادی کی تھی اور ان پر یہ الزام تھا کہ اس طرح انہوں نے سرکشی کی یا تجرّد، کوئی رسم ہیکل اور آئینی شکل تھی تو حضرت مریم جو "صدیقہ" ہیں اس بارے میں ان کا رویہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ اعتراف کر لیتیں کہ واقعی مجھ سے تمہارے آئین کی سرکشی ہوئی۔ یہ کیا صداقت ہے کہ وہ ان کا مروّجہ قانون توڑ کر بھی ان کی سرکشی کرنے سے انکار کر رہی ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ پرویز صاحب نے ایک من گھڑت معنے پیدا کر کے بھی اپنے لئے کوئی قوی دلیل حاصل نہ کی بلکہ اور مشکل پیدا کر لی۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔ (صفحہ: ۳۰-۳۱)

یہ صحیح ہے کہ بغی کا معنی بدکار عورت ہے، مگر کیا بدکار عورت معاشرہ میں سرکشی کی مرتکب نہیں

ہوتی؟ (یہاں سردست پرویز مرحوم کی کتاب شعلہ مستور زیر بحث نہیں ہے۔) لیکن ابھی حضرت مریم کا اپنی قوم کا سامنا کرنے کا کوئی ذکر ہی نہیں، اس لئے طاہر سورتی مرحوم کی رائے بے محل ہے۔ حضرت مریم اس وقت ہیکل چھوڑ کر اپنے گھر آئی ہوئی تھیں۔ اور گھر کی چار دیواری کے اندر گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسی جگہ اوٹ کر کے دھوپ میں بیٹھی تھیں، جہاں سے وہ انہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ایسی حالت میں اللہ کا فرستادہ انکے پاس پہنچا، یقیناً وہ کوئی غیر مرد نہ تھا اور گھر والوں سے پتہ کر کے حضرت مریم کے پاس آیا تھا۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو حضرت مریم پکار کر اپنے گھر والوں کو بلا لیتیں۔ بہر حال اسے دیکھ کہ مریمؑ نے کہا: "میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں، اگر تو سچ مچ پرہیز گار ہے (جیسا کہ تجھے جانتی ہوں کہ تو پرہیز گار ہے)۔

حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی مرحوم نے، جو جامع مسجد اہلحدیث، گجرات میں خطیب تھے، اپنی کتاب "عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریمؑ" کے صفحہ 203 پر تفسیر کبیر اور تفسیر ابوالسعود کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ فرستادہ "یوسف نجار" تھا۔ اور صفحہ 136 پر مولانا عبدالحق دہلوی مرحوم کی تفسیر حقانی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ "یوسف مریم کا چچازاد بھائی تھا۔"

اس شخص نے جو حضرت مریم کے پاس آیا تھا، کہا "میں تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں (جس کا تو فرشتوں کی طرف سے بشارت ملنے پر انتظار کر رہی ہے اور خدا نے مجھے تیرے پاس اسلئے بھیجا ہے) تا کہ میں تجھ کو پاک لڑکے کے دینے کا موجب بنوں"۔ یہ سن کر مریم نے کہا، "میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ کسی بشر نے (نکاح کے ساتھ) مجھے مس نہیں کیا اور میں زنا کار بھی نہیں بنی (اسلئے لازماً تو نکاح کے لئے ہی آیا ہوگا)" اس پر اس شخص نے کہا "بات یوں ہی ہے" (یعنی میں نکاح کے لئے آیا ہوں اور یہ نکاح تجھے مشکل نظر آتا ہے) "تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ (یعنی اجماع کا خلاف) میرے لئے ایک ہلکی سی بات ہے۔ اور (ہمارا ارادہ ہے کہ) ہم اسے لوگوں کے واسطے ایک نمونہ بنائیں اور یہ (سب کے لئے) ہماری طرف سے رحمت ہو، اور یہ بات حکم الٰہی کے مطابق ہی ہے۔"

طاہر سورتی مرحوم نے صفحہ 31 پر قرآنی آیات کا تسلسل قائم رکھا ہے، جہاں ارشاد ربانی ہے:

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (۲۱) فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (۲۲) فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ

النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِيۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا (۲۳)

اس نے کہا اے مریم! واقعہ تیرے بیان کے مطابق ہے۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ ایسا کرنا... مجھ پر آسان ہے اور تا کہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لئے آیت اور اپنی طرف سے رحمت بنادیں اور یہ طے شدہ امر ہے (۲۱) پھر مریم اس بچہ سے حاملہ ہوگئیں اور وہ اسے لے کر لوگوں سے الگ دور کی جگہ چلی گئیں (۲۲) پھر انہیں دردزہ ایک کھجور کے درخت کے تنہ تک لے گیا انھوں نے کہا اے کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوتی ۱۲ (۲۳)

آیت سورہ مریم 19: 21 کا تشریحی ترجمہ اوپر دیا جا چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ طاہر سورتی مرحوم نے آیت 22 کی کوئی تشریح وتوضیح مناسب نہیں سمجھی اور نہ پرویز مرحوم کا ترجمہ وتشریح درج کی ہے۔ لہٰذا اس کا توضیحی مفہوم درج ذیل ہے:

الغرض (مریم کے اہل میں یہ نکاح ہو گیا جس کے نتیجہ میں) اس نے اس بچے کو اپنے پیٹ میں لیا۔ پھر (جب لوگوں کی طرف سے نا قابل برداشت مصیبتیں پائیں تو) وہ اس (شوہر) کے ساتھ کسی دور جگہ میں الگ ہوگئی۔ اس سے اگلی آیت 23 کا توضیحی مفہوم یہ ہے کہ (حاصل یہ کہ راستے میں حمل بوجھل ہو گیا اور) دردزہ اُسے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آئی (تا کہ وہ بچہ اس مصیبت والی حالت میں جنا جائے اور بے سروسامانی کے عالم میں درد کی وجہ سے وہ بول اٹھی) اے کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور (ایسی) بھولی بسری ہوتی (کہ مجھے کوئی یاد بھی نہ کرتا)

ذیل میں آیت 23 کا حاشیہ ملاحظہ ہو، جس میں طاہر سورتی مرحوم رقمطراز ہیں:

حاشیہ (۱۲) پرویز صاحب اس آیت کے معنی درج کرنے کے بعد شعلہ مستور صفحہ ۲۷ پر حضرت مریمؑ کے اس جملہ کی داد دیتے اور اس کو پوری دنیائے نسائیت کے جذبات واحساسات کا ترجمان بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''غور کیجئے قرآن مجید نے ''یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَ كُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا'' کے ایک مختصر سے ٹکڑے میں جذبات واحساسات کی ایک پوری دنیائے نسائیت کو کس نادرہ کاری سے سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔''

پرویز صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہر عورت دردزہ کی تکلیف میں مر مٹنے اور نیست ونابود ہونے کی یہی تمنا رکھتی ہے۔ ''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است'' یہ واقعہ ہے کہ وہ گھڑی عورت کے لئے انتہائی صبر آزما اور موت وحیات کی کشاکش کا باعث ہوتی ہے۔ تاہم اس وقت کوئی ماں مرنے کی خواہش نہیں کرتی بلکہ ہونے والے بچے کی دید و پرورش کا تقاضا اس میں زندگی کی خواہش اور زیادہ کرتا ہے۔ جناب پرویز نے اس ادبی جملہ کے ذریعہ جس طرح عورت کی نفسیات کی تشریح فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کی فطرت اور اس کی نفسیات کے قطعاً ادا شناس نہیں ہیں ان کی اس تشریح نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے مزعومات کی خاطر صرف قرآن مجید کی غلط تاویل ہی نہیں کرتے بلکہ تجربات عامہ سے بھی صرف نظر

کر جاتے ہیں۔ کوئی شادی شدہ عورت جائز اولاد کے پیدا ہونے پر کبھی اس قسم کی تمنا نہیں کر سکتی، البتہ صرف شریف و پاکباز، غیرت مند خوددار عورت بدنامی اور طعنوں اور ملامتوں کے اندیشہ سے ناجائز بچہ کی ولادت پر یہ تمنا کر سکتی ہے کہ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ اسے کہتے ہیں وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَالَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ (صفحہ:۳۱-۳۲)

طاہر سورتی مرحوم کا اعتراض اپنی جگہ پر، لیکن ان کی توجیہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دردِ زہ کے وقت کی تمنا صرف شریف و پاکباز غیرت مند اور خوددار عورت بدنامی اور طعنوں اور ملامتوں کے اندیشہ سے ناجائز بچہ کی ولادت پر ہی کر سکتی ہے۔ اس کا صاف مطلب تو یہ بنتا ہے کہ (خاکم بدہن) حضرت مریم نے موت کی تمنا اسلئے کی تھی کہ وہ ناجائز بچہ جننے والی تھیں۔

یہ انتہائی نازیبا توجیہ ہے اور حضرت مریم کی کردار کشی کی ایک سنگین تہمت ہے۔ طاہر سورتی مرحوم خیالی فرشتہ کو عیسیٰ کا باپ سمجھتے ہوں گے، جو انکے نزدیک ایک موزوں قد و قامت کا انسانی روپ دھار کر حضرت مریم کو ایک پاکباز لڑکا بخشنے آیا تھا، اس کے لئے حضرت مریم کے حاملہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ فرشتہ چپکے سے وہ پاکباز لڑکا حضرت مریم کی گود میں ڈال کر چلا جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ موسم سرما میں حمل ہوا، نو ماہ بعد موسم گرما میں جب کھجوریں پکی ہوئی تھیں، حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی، عورت کو حمل مرد کے مس سے ہوتا ہے۔ حضرت مریم گھر سے دور راستہ میں حالت سفر میں تھیں، اس بے سروسامانی کے عالم میں دردِ زہ کی شدت سے پکار اٹھیں کہ کاش میں اس سے پہلے مرگئی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔ یہ ایک بشری کمزوری تھی، معلوم ہوتا ہے طاہر سورتی مرحوم خود کو عورتوں کی نفسیات کا ماہر سمجھتے ہیں۔ شریف عورتیں تو بے آبرو ہونے پر مر جانے کو ترجیح دیا کرتی ہیں۔ جبری آبروریزی کا شکار ہونے کی بجائے جان دے دیتی ہیں۔ "ناجائز بچے کو نو ماہ تک پیٹ میں رکھنا گوارا نہیں کرتیں" چہ جائیکہ دردِ زہ پر موت کی تمنا کریں۔ کیا عورت کا حاملہ ہو کر نو ماہ بعد سخت تکلیف سے بچہ جننا معجزہ ہوا کرتا ہے؟ جس کے طاہر سورتی مرحوم قائل تھے؟؟

طاہر سورتی مرحوم پرویز مرحوم پر اعتراض کرنے میں ادنیٰ تامل نہیں کرتے، لیکن خود آیات کی کوئی معقول تشریح و توضیح کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ ایسی تشریح و توضیح کرتے ہیں جو آیات کے مفہوم کو بگاڑ دیتی ہیں۔ اور سیاق و سباق کا بھی مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ فرشتوں کی طرف سے بشارت کسی ایسے بچے کے لئے نہیں ہو سکتی جو بے نکاحے باپ اور بے نکاحی ماں سے پیدا ہو، اور نہ اللہ تعالیٰ کے یہ شایاں ہے کہ وہ معجزہ دکھانے کے لئے کسی فرشتہ کو بہروپیا بنا کر بھیجے۔ اور معجزہ بھی ایسا جس کے رونما ہونے میں پورے نو ماہ لگیں

اور طاہر سورتی مرحوم جیسے فاضل عربی کو یہ جسارت ہو کہ دھڑ لے سے کہہ سکیں:

"اور اسی حالت میں جب وہ اپنے گھر والوں سے دور چلی گئیں تو انکو فرشتے نے بچہ دیا" (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۵۹)

حالانکہ آیت میں اس موقع پر فرشتے یا کسی اور کے بچہ دینے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں بلکہ آیت میں گھر والوں سے دور چلے جانے کا حامل بھی کوئی لفظ نہیں۔ یہی نہیں بفرشتہ کے حضرت مریم کو بچہ دینے کے ہم معنی الفاظ بھی اس آیت (17) میں موجود نہیں۔ اگر طاہر سورتی مرحوم کی مراد آیت 22 کے شروع میں فَحَمَلَتْهُ سے ہے تو اس کا بھی یہ معنی نہیں بنتا۔ اس کا معنیٰ خود طاہر سورتی مرحوم کے الفاظ میں صرف "پھر مریم اس بچہ سے حاملہ ہو گئیں" ہے۔ جبکہ اس کا مفہوم جیسا کہ اوپر درج کیا جا چکا ہے، یہ ہے:

الغرض (مریم کے اہل میں یہ نکاح ہو گیا، جس کے نتیجہ میں) اس (مریمؑ) نے اس بچے کو اپنے پیٹ میں لیا"۔ یہ ترجمہ سیاق وسباق کے پیش نظر صحیح ترجمہ ہے۔ اس سے پہلی آیت کا توضیحی مفہوم پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا کا معنی ہے "پھر وہ (مریم) اس (یعنی اپنے شوہر کے ساتھ) کسی دور جگہ میں الگ ہو گئی"۔ جبکہ طاہر سورتی مرحوم کا ترجمہ "اور وہ اسے لے کر لوگوں سے الگ دور کی جگہ چلی گئیں" ہے جو صحیح نہیں کیونکہ پیٹ کے بچہ کے لئے الگ ضمیر نہیں آنی چاہئے۔ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ میں بھی پکارنے والا مریمؑ کا شوہر ہے، جو مریمؑ کے ساتھ جا رہا تھا۔ یہ پیٹ کے بچہ کی آواز نہیں، بلکہ یہ شوہر تھا جس نے حضرت مریم کو پکار کر کہا تھا اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (تو غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کیا ہوا ہے)

اب آیت 24 کا بقیہ حصہ، آیات 25 تا 28 اور آیت 29 کا کچھ حصہ اور ان کا طاہر سورتی مرحوم کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ طاہر سورتی مرحوم نے آیت 27 کے متعلق پرویز مرحوم کے ترجمہ پر جو اعتراض کیا ہے اور پھر خود جو تشریح کی ہے، وہ حاشیہ میں ملاحظہ کیے جائیں۔ اس کے بعد راقم اپنی توضیح پیش کرے گا۔ وباللہ التوفیق۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (۲۴) وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۲۵) فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ج فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (۲۶) (۲۶) فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا (۲۷) يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا

كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا(۲۸) فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط

پھر اس نے مریم کو اس کے نیچے سے آواز دی کہ تو غم نہ کر تیرے نیچے تیرے رب نے ایک بلند مرتبہ سردار پیدا کیا ہے (۲۴) اور تو کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلا تو تجھ پر تازہ چنی ہوئی گدر کھجوروں کی بارش ہو جائے گی (۲۵) پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھ کو ٹھنڈا کر، پھر جب بھی تجھے کوئی انسان نظر آئے تو تو کہہ دینا میں نے خدا کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے لہٰذا میں آج کسی انسان سے بات چیت نہیں کروں گی (۲۶) پھر وہ اسے اُٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائی ۱۳ ان لوگوں نے کہا اے مریم! تو نے تو بڑی عجیب اور غیر قانونی حرکت کی ہے (۲۷) اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بدکار تھا اور نہ تیری ماں فاحشہ تھی (۲۸) اس (مریم) نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

حاشیہ (۱۳) فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ کا ترجمہ پرویز صاحب نے بالکل غلط کیا ہے اور یہ اس لئے کہ ان کا کوئی عقیدہ سیدھے اور صاف ترجمہ کو گوارا نہیں کرتا ہو وہ اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

"جب مریم لڑکے کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئی اور وہ سواری پر تھا"۔

یہاں تَحْمِلُهٗ حالیہ توضیح ہے یعنی حَامِلَةً لَّهٗ تَحْمِلُ واحد مؤنث غائب مضارع کا صیغہ ہے۔ اس میں ضمیر مؤنث حضرت مریمؑ کے لئے ہے۔ اس سے پہلے کوئی مؤنث اسم سوائے حضرت مریمؑ کے ایسا نہیں جس کی طرف اس کی ضمیر راجع ہو۔ اس میں کوئی ایسی گنجائش نہیں جس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "اور وہ سواری پر تھا" کیا جائے۔ یہ نہایت درجہ لغو، عربی زبان وادب کے خلاف، غیر دیانتدارانہ ترجمہ ہے۔ خود انکی لغات القرآن بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ صفحہ 552 ح م ل کے مادہ کے تحت اس میں لکھا ہے، حَمَلَ يَحْمِلُ حَمْلاً "بار اٹھانا اپنے اوپر لادنا" جس سے صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ حضرت مریمؑ اس بچہ کو اپنے اُوپر لادے ہوئے لے کر آئیں۔

البتہ حَمَلَ کے ساتھ" عَلٰى یا فِىْ "بطور صلہ آئے تو اس کے معنی اُٹھا کر کسی چیز پر یا کسی چیز میں رکھنا یا سوار کرایا ہو جاتے ہیں جیسے حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۱۳/۵۴) ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔ اور حَمَلْنَاكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ہم نے تم کو کشتی پر سوار کر دیا (۱۱/۶۹) قرآن مجید میں صرف ایک مقام ہے جہاں مکرر حَمَلَ کا فعل آنے کی وجہ سے سیاق عبارت اور قرینہ کی بنا پر پہلے فعل کا صلہ حذف کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہاں صرف سواری ہی مراد ہو ہو تو اس قدر خستہ حال مجاہدین تھے کہ ان کے پاس جوتے تک نہ تھے اور ان کے لئے عسرت کے باعث جوتے بھی مہیا نہ کئے جا سکے۔ بہرحال ایسی جگہ جہاں قرینہ وسیاق عبارت سواری کی اجازت نہ دے اس معنے کو لانا اور صحیح عام استعمال کو چھوڑ دینا قطعاً بے محل ہے۔

بات یہ ہے کہ پرویز صاحب کا ایسے صحیح ترجمہ سے لوگ کہتے کہ اتنا چھوٹا بچہ جسے ابھی ماں اُٹھا کر لا رہی ہو کیسے باتیں کرنے لگا؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔ اسی تعقل پسندی نے انھیں قرآن کے غلط معنے کرنے کی جرأت دلا دی۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق (صفحہ: ۳۲-۳۴)

طاہر سورتی مرحوم نے پرویز مرحوم کے مذکورہ بالا ترجمہ کو بالکل غلط نہایت درجہ لغو، عربی زبان و ادب کے خلاف اور غیر دیانتدارانہ قرار دیا ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ یہ ترجمہ (نہیں) آیت کریمہ کا ایک آزاد مفہوم ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے غلط نہیں۔ تحمله ، فاتت به قومها کے فاعل (مریمؑ) سے حال ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں حالیہ جملہ ہے اور معنی ہے: "الحاصل وہ (مریمؑ) اسکو (عیسیٰؑ کو) اپنی قوم کے پاس سوار کرا کے لائی۔" وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (توبہ 92:9) کا ترجمہ اشرف تھانوی مرحوم کے الفاظ میں یہ ہے: "اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ والزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں اور آپ (ان سے) کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کردوں۔" لتحملهم میں علی یا فی کے صلہ کو حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو مومن رسول کریمؐ کے پاس آتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ آپ انہیں کوئی سواری فراہم کریں، سواری کی تخصیص مقصود نہیں تھی کہ وہ گھوڑے ہوں یا اونٹ یا خچر وغیرہ یا کوئی گاڑی، کشتی وغیرہ۔ اس آیت میں بھی چونکہ یہ بتانا مقصود نہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کس جانور یا گاڑی پر سوار تھے، اس لئے علی یا فی کا صلہ اور سواری کی نوعیت محذوف ہے۔ رہا قرینہ کہ یہاں سوار کرا کرلانے کا معنی کیوں لیا جائے تو وہ سیاق عبارت سے واضح ہے۔ حضرت مریمؑ اپنے بیٹے (عیسیٰؑ) کو اس وقت اپنی قوم کے پاس لائیں، جب وہ جوان ہو چکے تھے، انہیں نبی بنایا گیا تھا اور انجیل عطا کی گئی تھی۔ راستہ میں وہ جہاں کہیں گئے برکت و کامیابی سے نوازے گئے، انہیں صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم مل چکا تھا وہ سعادت مند تھے۔ والد فوت ہو چکے تھے، ماں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، کسی کے ساتھ بھی نہ تو سرکشی کرتے تھے نہ بدبخت تھے، جیسا کہ اس موقع پر ان کے قول سے جو قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ سے يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مریم 19:23 تا 30) تک ممتد ہے، صاف واضح ہے۔ عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ کے سوار کرا کرلانے سے یہ مفہوم اخذ کرنا غلط ہے، کہ وہ خود پیدل تھیں۔ اگر عیسیٰؑ کے والد اس وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی ساتھ ہوتے۔

بدقسمتی سے طاہر سورتی مرحوم، عام عقیدہ کے مطابق سمجھتے تھے کہ اس وقت جب مریمؑ عیسیٰؑ علیہ السلام کو قوم کے پاس لائیں، بچہ تھے اور اپنی والدہ کی گود میں تھے۔ انہیں فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ میں "فَ" کے لفظ سے دھوکا لگا ہے۔ وہ اسے "پھر" کے مفہوم میں لیتے ہیں، یعنی حضرت مریمؑ عیسیٰؑ کو جننے کے ساتھ ہی اپنی قوم میں لے کر چلی آئیں۔ یہاں "فَ" الحاصل کے معنے میں ہے، جیسا کی آئندہ آیات سے واضح ہوگا، جو

حضرت عیسیٰؑ کے بیان پر مشتمل ہیں اور جن کا بالاجمال ذکر اوپر بھی کیا گیا ہے۔

طاہر سورتی کے ترجمہ سے یہ غلط تاثر قائم ہوتا ہے، کہ حضرت مریمؑ حاملہ ہونے کے بعد پیٹ کے بچہ کو لے کر تن تنہا سفر پر روانہ ہوئیں، وضع حمل، اس سے قبل، دوران اور بعد میں، آیات قرآنیہ میں مذکر کے جو صیغے آئے ہیں، وہ سب اس بچہ کے اقوال ہیں، حالانکہ فَاَ نْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا میں "ہ" کی ضمیر مجرور کا مرجع حضرت مریم کا شوہر ہے، جس سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا اور اس نکاح کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوئی تھیں، اسی طرح فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ میں آواز دینے والا بھی ان کا شوہر ہے۔ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا کا قائل بھی وہی شوہر ہے۔ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا کا مشورہ دینے والا بھی یہی شوہر ہے۔ طاہر سورتی مرحوم عملاً یہ وضاحت کرنا گول کر گئے کیونکہ اس سے انکے غلط موقف کی تردید ہوتی ہے۔ ان کے ترجمہ سے قاری یہ سمجھے گا کہ مریمؑ پیٹ کے بچے کو لیکر کسی دور جگہ چلی گئیں تھیں۔ اس طرح بعد کی مذکر واحد کی تمام ضمیروں کا مرجع بھی بچہ ہی بنتا ہے، اور یہ بات قطعاً غلط ہے، پیٹ کے بچے کے لئے علیحدہ سے ضمیر نہیں آتی۔ طاہر سورتی مرحوم نے قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا میں (جس کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے: ان لوگوں نے کہا، ''اے مریم، تو نے بڑی عجیب اور غیر قانونی حرکت کی ہے۔'') غیر قانونی حرکت کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ بہر حال مفہوم یہ ہے کہ ''تو نے ہیکل کے متولیوں کے بغیر نکاح کر لیا اور اپنے بھائی ہارون کی ولایت کا بھی کچھ خیال نہ کیا، تیرا باپ برا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ اور یوں تو نے اجماع امت کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ ایک قابل بحث سوال تھا، اس لئے قرآن مجید کے الفاظ میں: (فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ) یہ سن کر مریمؑ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا (کہ وہ جواب دے)۔

اب سورہ مریم کی آیت 29 اور 30 کا طاہر سورتی مرحوم کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو:

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۲۹) قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (۳۰)

وہ بولے ہم اس سے کیسے باتیں کریں جو گہوارہ میں بچہ [۱۴] ہے (۲۹) اس (بچہ) نے کہا بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اسنے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا (۳۰)

حاشیہ (۱۴) اس آیت کا ترجمہ پرویز صاحب نے یوں کیا ہے۔ انہوں نے کہا "بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے" یہاں تک تو ترجمہ صحیح تھا اگرچہ اس میں بھی "ابھی" کا لفظ اضافہ ہے جو غیر ضروری ہے۔ مگر بھلا اس

صاف ترجمہ پر انہیں کیوں کر اطمینان ہوتا اس میں تو انہیں اپنی بات بگڑنے کا خطرہ نظر آنے لگا تھا۔ لہذا بقول شاعر

ہمیں تاویل بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیئے۔

فوراً ہی وہ اس کی تاویل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں" آپ دیکھیئے کہ ان کے اس جواب میں کتنا گہرا طنز ہے وہ کہتے ہیں کہ جو بچہ ابھی کل ہمارے ہاتھوں میں پیدا ہوا اس سے ہم کیا بات کریں؟"

دیکھا آپ نے اس کا نام ہے تاویل! یہ صحیح ہے کہ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا کے عربی میں دو طرح معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ" جو گود میں بچہ تھا" اور دوسرے یہ کہ جو گود میں بچہ ہے، لیکن جو تصریف آیات کا قائل ہو اسے تو دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ اسی مضمون کو اسطرح بیان کیا گیا ہے يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ (یعنی وہ لوگوں سے گود میں بات کرے گا) یہ آیت صرف ایک معنی کی طرف راہنمائی کر رہی ہے اور وہ ایک معنے یہ ہیں کہ یہاں "کان" بجائے "تھا" کے "ہے" کے لئے استعمال ہوا اسلئے کہ اس بچے کے متعلق پیشگوئی میں یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ گہوارہ میں لوگوں سے گفتگو کرے گا۔

یہ بحث موضوع سے خارج ہے لہذا صرف اشارہ کر دیا ہے۔ (ابن مریم اور پرویز، صفحہ:۳۴)

یہ تنقید حضرت عیسیٰ کے قول سے جو اگلی آیت میں آیت 33 تک مذکور ہے، غلط ثابت ہو جاتی ہے جہاں انہوں نے کہا ہے بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا الخ۔ کیونکہ کوئی بچہ گود یا گہوارہ میں ہوتے ہوئے نبی نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اُسے کوئی کتاب دی گئی۔ جب ایسا نہیں ہوا تو حضرت عیسیٰ کا یہ قول ان کے گود میں ہونے یا گہوارہ میں ہونے کے وقت کا کیونکر ہو سکتا ہے؟

لہذا من كان في المهد صبيا کا یہاں معنیٰ "جو گود میں بچہ تھا" ہے اور جناب طاہر سورتی مرحوم ان الفاظ کا اس معنیٰ میں ہونا تسلیم کر چکے ہیں۔ لہذا ان کا يكلم الناس في المهد سے استدلال خلاف واقع ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے قبل جتنے بھی نبی رسول مبعوث کیے گئے وہ سب بالغ مرد تھے۔ مثلاً سورۃ یوسف کی آیت 109 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم من اهل القرى (اور ہم نے آپؐ سے پہلے مختلف بستی والوں سے جتنے (رسول) بھیجے سب آدمی ہی تھے۔ (ترجمہ تھانوی مرحوم) یعنی پورے مرد تھے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ کا معنیٰ (وہ لوگوں سے گہوارہ میں باتیں کرے گا) کا مطلب یہ ہے کہ ذہین ہوگا اور اچھی اچھی باتیں کرے گا یہ نہیں کہ اسے گہوارے میں ہی نبی بنایا جائے گا اور گہوارے میں ہی کتاب بھی دی جائے گی اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا مکلف ٹھہرایا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

دیکھا جائے تو طاہر سورتی مرحوم نے خود سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا ہے اور تدبر سے کام نہیں لیا اور يكلم

الناس فی المھد کا یہاں غلط اطلاق فرما رہے ہیں۔

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم 29:19) کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہم (مسیح ہونے کے متعلق) ایسے شخص کے ساتھ کیونکر کلام کریں (جو بچپن میں دیگر بچوں کی طرح) ہنڈولے میں کھیلا کرتا تھا (ہمارے لئے کل کا بچہ ہے یہ ہمیں سکھانے جارہا ہے؟) لہٰذا اس لائق نہیں کہ عالموں سے بحث کر سکے۔)

طاہر سورتی مرحوم نے (مریم 30:19) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (۳۰)

"اس (بچہ) نے کہا: بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا"۔

کیا یہ کسی بچہ کا قول ہو سکتا ہے؟؟ نہیں۔ اسلئے کہ قرآن مجید میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتے ہوتے۔ (النحل 78:16)

اب سورہ مریم کی آیات 31 تا 35 اور طاہر سورتی مرحوم کا ان آیات کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ طاہر سورتی مرحوم نے ان آیات کی تشریح کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی پرویز مرحوم کے ترجمے یا تشریح پر کوئی اعتراض کیا ہے۔

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (۳۱) وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا (۳۲) وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (۳۳) ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (۳۴) مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۳۵) (صفحہ:۳۵)

اور مجھے جہاں کہیں میں ہوں بابرکت بنایا ہے اور مجھے تاحیات نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے (۳۱) اور مجھے اپنی ماں کے لئے وسیع پیمانہ پر خیر و برکت کا باعث بنایا ہے اور مجھے درشت خو، بدبخت نہیں بنایا (۳۲) اور امن و سلامتی ہے مجھ پر اس دن میں جبکہ میں پیدا ہوا اور اس دن میں جس میں کہ میں مروں گا اور اس دن میں کہ میں زندہ اٹھایا جاؤں گا (۳۳) یہ ہے عیسیٰ بن مریم، حق بات جس میں یہ شک کرتے اور جھگڑتے ہیں (۳۴) اللہ کے یہ شایان شان ہی نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی لڑکا بنائے ہو وہ تو جملہ نقائص سے بلند و برتر ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے ہو جاؤ تو وہ ہو جاتا ہے (۳۵)

خود کو اللہ کا ایک بندہ بتا کر اور یہ کہہ کر کہ مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے، حضرت عیسیٰ

نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ مفہوم نکلتا ہے کہ انکی والدہ نے اپنے اختیار سے نکاح کیا اور عیسائیوں میں آج تک عورت یہ اختیار رکھتی ہے۔ اور مریمؑ پر قوم کے اعتراض، کہ ان کا ایسا کرنا صحیح نہیں تھا کا ایک مسکت جواب ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ انکی والدہ کے جس فعل پر وہ معترض ہیں اگر وہ نامعقول ہوتا اور عاقلہ بالغہ عورتوں کو آزادی بخشنے والا نہ ہوتا تو اللہ مجھے اپنی ماں سے نیک سلوک کرنے والا نہ بناتا۔ میں تو کسی سے بھی سرکشی کے ساتھ پیش آنے والا اور بدبخت نہیں بنایا گیا یعنی اپنے باپ کا بھی سعادت مند بیٹا ہوں اور مجھ پر وہی سلامتی ہے (جو حضرت یحییٰ پر تھی) جس دن میں پیدا ہوا تھا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ ہو کر پیش ہوں گا۔ (حضرت یحییٰ جائز طور پر پیدا ہوئے تھے، میں بھی اسی طرح جائز طور پر پیدا ہوا ہوں اور خدا کے حضور میں بھی میرا معاملہ یحییٰؑ کی مانند ہے۔ میری موت یحییٰؑ کی طرح امن کے ساتھ ہوگی جس طرح وہ قتل سے بچا لئے گئے تھے، مجھے بھی صلیب کی موت سے بچا لیا جائے گا) کیا یہ باتیں کسی ایسے بچہ کی ہو سکتی ہیں، جو گویا گہوارے میں ہو؟؟ قال کا ترجمہ طاہر سورتی مرحوم نے: "اس (بچہ) نے کہا" کیا ہے۔ جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ (۳۵) (مریم19: 35)

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے (خواہ وہ مسیح ہو، یحییٰ ہو یا اولاد آدم میں سے کوئی اور ہو) تو اسے کہتا ہے، ہو جا تو وہ بات (اسکے حکم کے مطابق ہو جاتی) ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیچر پر حقیقی متصرف ہے۔

اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم فرماتے ہیں:

ان مسلسل آیات کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مقامات پر حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا تذکرہ ہے۔ جن میں سے چند مقامات کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے یہ آیات بھی موضوع سے متعلق امور پر روشنی ڈال رہی ہیں۔ پہلے سورۃ النساء کی آیات ملاحظہ فرمایئے:۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۳۵)

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ‌ ۚ اَ لۡقٰٮهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ اِنْتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا (۱۷۱) لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓـئِكَةُ

الْمُقَرَّبُوْنَ ط وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (۱۷۲)

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ بلاشبہ مسیح تو مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے۔ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی روح، پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ۔ اور تین نہ کہو باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے بے شک اللہ تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ پاک اور بلند تر ہے اس بات سے کہ اس کے لڑکا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے اور وکیل ہونے کے لئے اللہ کافی ہے (۱۷۱) اللہ کا بندہ ہونے کو مسیح اپنی شان سے گرا ہوا نہیں خیال کر سکتا اور نہ مقرب فرشتے اللہ کی بندگی کو اپنی توہین خیال کر سکتے ہیں اور جو اس کی عبادت سے گریز کرے گا اور تکبر کرے گا تو وہ ان سب کو اکٹھا کر کے اپنے پاس لے آئے گا۔ (۱۷۲) (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۳۵-۳۶)

اب سورۃ المائدہ کی آیت کا متعلقہ مضمون سے متعلق ٹکڑا ملاحظہ فرمایئے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ج

جب اللہ نے کہا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ میری اس نعمت کو یاد کر جو میں نے تیرے اوپر اور تیری ماں پر کی جب کہ میں نے روح القدس سے تیری تائید کی۔ تو لوگوں سے باتیں کرتا تھا گہوارہ میں اور ادھیڑ عمر میں۔ (مائدہ 110:5)

سورہ نساء اور سورہ مائدہ کی ان آیات پر طاہر سورتی مرحوم انکے مقابل اپنے ترجمہ کے بعد، جن کی وہ یہاں کوئی تشریح ضروری نہیں سمجھتے ارشاد فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا آیات کو عربی میں پڑھئے ایک بار نہیں کئی بار پڑھئے اور ان آیات کے الفاظ و معانی کو اس طرح ذہن نشین کیجئے آگے تاویل کے جو کھنڈ آپ کی نگاہوں کے سامنے آئیں وہ بھی آپ کو قرآن کے الفاظ و معانی سے دور نہ لے جائیں ایک مرتبہ اور اوپر کی آیات قرآنی پر نظر ڈال لیجئے۔ اس کے بعد ہم حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے موضوع سے متعلق جناب پرویز صاحب کے افکار کا تجزیہ کرنے کے لئے "شعلہ مستور" کی طرف رجوع کرتے ہیں جو "معارف القرآن" کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس میں جناب پرویز کی متعلقہ موضوع پر "بصیرت قرآنی" ملاحظہ فرمایئے اور داد دیجئے علامہ اقبال مرحوم کو جو لکھ گئے ہیں۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے | کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت | خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

یہاں یہ بھی یاد رکھئے گا کہ حضرت مسیح ابن مریمؑ کے متعلق جناب پرویز کو اپنی بصیرت قرآنی کے مطابق جس قدر لکھنا تھا وہ تمام کا تمام اسی کتاب میں لکھ چکے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی دیگر تصانیف میں جہاں کہیں حضرت مسیح ابن مریمؑ کا موضوع زیر بحث آتا ہے۔ وہ لکھ دیتے ہیں۔ "تفصیلی حالات میری کتاب شعلہ مستور میں ملیں گے۔" (صفحہ ۳۶، ۳۷)

مزید فرماتے ہیں:

یہ الگ بات ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں پرویز صاحب ہر روز ایک نئی تفسیر کر دینے کے عادی ہیں اور اس ضمن میں ان کے قارئین کے لئے ہمیشہ ان کا ایک نپا تلا فقرہ وجہ شادابی قلب و نظر بنا رہتا ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ یہ معنے ہمارے موجودہ زمانہ کے علم کے مطابق کئے گئے ہیں جوں جوں تحقیقات کے بعد علمی سطح بلند ہو گی۔ ان کے معانی و مفہوم بھی بدلتے رہیں گے۔

بہر حال حضرت مسیح ابن مریم کے بارے میں اب تک قرآن مجید نے پرویز صاحب کو اناجیل اور تحقیقات مورخین کے سہارے سے جہاں تک پہنچایا ہے اس کا خلاصہ پرویز صاحب نے ''شعلہ مستور'' میں درج کر دیا ہے۔ اب اس موضوع کو ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ پرویز صاحب قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے اور اس میں غور و فکر کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اپنی اسی کتاب شعلہ مستور میں وہ لکھتے ہیں:۔

تدبر فی القرآن اور اس کا صحیح طریقہ۔ باقی رہا یہ کہ ہم اپنے ذہن میں پہلے ایک عقیدہ قائم کر لیں اور پھر اس کے تائیدی شواہد تلاش کرنے کے لئے قرآن کریم کی ورق گردانی کریں تو یہ "تدبر فی القرآن" کا ایسا غلط طریقہ ہے جسے درحقیقت تدبر فی القرآن کہنا ہی غلط ہے قرآن کریم کو اپنے خیالات و تصورات کے تابع لے آنا بہت بڑی جسارت ہے اس سے دلوں پر مہریں لگتیں اور آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔'' (شعلہ مستور صفحہ ۸۹)

گویا پرویز صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے شرط اول یہ ہے۔ کہ ہم قرآن کی حدود میں رہیں خارج از قرآن کسی شہادت کی بناء پر قرآن کے بیان کی تردید یا تاویل نہ کرنے لگیں۔ اپنے خیالات و تصورات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کو تابع نہ بنالیں اور یہ طریقہ قرآن فہمی کے لئے ایک حقیقت پسندانہ طریقہ ہے۔ اس لئے کہ اصل میں تو قاضی و حاکم قرآن مجید ہی ہے۔ اگر ہم خارج از قرآن افکار و عقائد لا کر قرآن میں داخل کر دیں یا ان کے مطابق قرآن مجید کی تاویل کر لیں تو قرآن مجید محکوم بن جاتا ہے۔ (صفحہ:۴۸،۴۹)

طاہر سورتی مرحوم پرویز مرحوم کی قرآن مجید کو سمجھنا اور اس میں غور و فکر کے بارے میں رائے کے متعلق مزید توضیح کرتے ہوئے درج ذیل عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے حقائق تک پہنچنے میں عقل کوتاہی کر سکتی ہے اس لئے اپنے آپ کو قرآنی حقائق تک محدود رکھئے"

تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں پرویز صاحب ایک اور مفید مشورہ دیے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کو خالی الذہن ہو کر سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے بعد اگر ایسی باتیں سامنے آئیں جو درست آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں تو قرآنی حقائق کو کھینچ تان کر اپنی عقل کے قالب میں ڈھالنے کی سعی نا کام نہ کیجئے بلکہ قرآنی حقائق کو اپنی جگہ محکم اور اٹل سمجھتے ہوئے انتظار کیجئے تا آنکہ مزید تحقیق و تدبر آپ کی عقل میں اتنی وسعت پیدا کر دے کہ اس میں قرآنی حقائق سما سکیں۔ اگر قرآن کریم کا یہ ارشاد ہو کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ظہور میں آئی تھی تو بلا ادنیٰ تامل ہمارا اس پر ایمان ہے ہم ہر لمحہ

بدلنے والی عقل کی خاطر نہ بدلنے والے حقائق کو رکیک تاویلات سے موڑ توڑ نہیں سکتے اور اگر قرآن مجید اس طرف لے جائے کہ آپ کی پیدائش عام انداز کے مطابق تھی تو محض اس لئے کہ اس سے ایک ایسے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے جو ہم میں ایک عرصہ سے متوارث چلا آرہا ہے، بے معنی نکتہ آفرینیوں اور دور از کار موشگافیوں کی سعی لا حاصل بھی خود فریبی سے زیادہ نہیں۔ ہمارے تمام رجحانات و معتقدات، قرآن کے تابع ہونے چاہئیں اور بس (شعلہ مستور، صفحہ ۸۹،۹۰) (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۳۹)

طاہر سورتی مرحوم پرویز مرحوم کی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ملاحظہ فرمایا آپ نے، پرویز صاحب کہہ رہے ہیں کہ ہمیں صرف اُس خیال اور اعتقاد کو اپنانا چاہیے جو قرآن مجید سے ثابت ہو اور اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ کر قرآن مجید کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ اپنی لگام اپنی عقل کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ قرآن مجید کے ہاتھ میں دینا چاہیے۔ یہ ہے اتباع قرآن کا صحیح طریقہ ایسے ہے قرآن پر ایمان لانے کا واضح مفہوم! لہٰذا ہمیں "اتباع عقل" چھوڑ کر "اتباع قرآن" اور "اتباع ما انزل اللہ" کو اپنا شیوہ بنانا چاہیے۔ اتباع قرآن کی راہ میں نہ کوئی خارج از قرآن سند لائی جائے، نہ اپنے متوارث عقائد کو حائل کیا جائے۔ قرآنی حقائق کو غیر متبدل، اٹل اور محکم مانا جائے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ ہماری ہر لحہ بدلنے والی عقل میں نہ آسکیں کھینچ تان کر انہیں اپنی عقل کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔ یہ کس قدر صاف اور واضح اصول ہیں، یقین جانئے کہ اگر ہم اپنے مختلف فیہ مسائل کے لئے قرآن مجید کو حکم مان لیں اور پھر قرآن مجید کے احکامات کے مقابلہ میں "اولیاء" ا کا اتباع نہ کریں تو ہر عقدہ نہایت آسانی سے سلجھ سکتا ہے یہی وہ نکتہ ہے جسے قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف: ۳)

تم اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے اولیاء کا اتباع نہ کرو۔

حاشیہ (ا) یہاں اولیاء سے مراد اولیاء اللہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے سوا تمام محققین وغیرہ جن پر اللہ کے مقابلہ میں اعتماد کیا جائے۔

یہ کس قدر واضح فرمان خداوندی ہے کہ تم اس ضابطہ قوانین کی پیروی کرو جو منزل من اللہ ہے۔ اپنی مرضی کے عقائد اور من گھڑت کاروائیوں کے لئے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے اولیاء (علماء، محققین، مشائخ، صوفیہ وغیرہ) کا سہارا نہ لو۔ یہ ہیں وہ اصول وضوابط جو قرآن مجید پر ایمان لانے کے لئے پرویز صاحب تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی ان اصولوں سے سر مو تجاوز نہیں کرنا چاہتے۔ ان اصولوں کی بناء پر ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ آیا پرویز صاحب "مسیح ابن مریم" کے معاملہ میں اپنے ان اصولوں پر کاربند رہتے ہیں یا "اتباع اولیاء" کا سہارا لیتے ہیں۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۴۰، ۴۱)

طاہر سورتی مرحوم پرویز کے بیان کردہ اصولوں سے تجاوز کا ذکر کرنے سے قبل ذیل میں دیئے گئے عنوان کے تحت نبی کریم کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع سے متعلق پھیلے ہوئے عقائد بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ قرآن مجید نے ان عقائد باطلہ کی تردید و تغلیط میں کیا تصریحات پیش کی ہیں:

نزولِ قرآن سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف فیہ عقائد جن کا فیصلہ قرآن کو بالتصریح کرنا چاہیے تھا:

یہاں ہمیں مختصر طور پر یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰؑ کے اس موضوع سے متعلق کونسے عقائد پھیلے ہوئے تھے:

یہودی حضرت عیسیٰؑ کو (معاذ اللہ) ناجائز تعلقات کا نتیجہ بتاتے تھے۔ آپ کی والدہ پر بدکاری کی تہمت لگاتے تھے۔

عیسائی آپ کی بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کہہ کر خدا کے مقام پر پہنچا دیتے تھے۔

یہ تھے وہ عقائد باطلہ جو یہودیوں اور عیسائیوں میں ولادتِ مسیح کے بارے میں مختلف فیہ تھے۔ قرآن مجید کا فرض تھا کہ وہ ان مختلف فیہ مسائل میں فیصلہ کرتا اور حضرت مسیح کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں ان عقائد باطلہ کی تردید و تغلیط کرتا اسے بالکل صاف انداز میں بتانا چاہیے تھا کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے یا باپ کے ذریعہ، وہ ناجائز تعلقات کا نتیجہ کیوں نہیں تھے اور ابن اللہ کیوں نہیں؟

مذکورۃ الصدر آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو دین میں غلو سے منع کرتا ہے، حق کہنے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مسیح تو مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے جو اللہ کا رسول اور اس کا ایسا کلمہ ہے جسے اس نے مریم میں ڈال دیا تھا اور اس کی روح ہے نیز یہ کہ مسیح اللہ کا بندہ بننے سے ہرگز اپنی توہین محسوس نہیں کرے گا۔ اے اہل کتاب! تم خدا کو تین میں نہ بانٹو اور جان لو کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ سورہ نساء ۴:۱۵۶-۱۵۷ میں یہودیوں کی بداعمالیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہودی حضرت مریمؑ پر بڑا بہتان لگاتے تھے۔ سورہ مریم میں اس کی تفسیر لقد جئت شيئا فريا (مریم ۱۹:۲۷) سے کر دی ہے یعنی جب حضرت مریمؑ یہودیوں کے پاس حضرت عیسیٰؑ کو لے کر آئیں تو انہوں نے کہا، اے مریم یہ تو تم نے نہایت عجیب حرکت کی ہے۔ تم ایک غیر قانونی بچہ کی ماں بن گئی ہو۔

(ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۴۱،۴۲)

جہاں تک طاہر سورتی مرحوم کا سورۃ نساء کی آیت 171 سے استدلال کا تعلق ہے، تو عرض ہے کہ فاضل عربی ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے غلط موقف کو ثابت کرنے کے لئے انما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله و كلمته القها الى مريم و روح منه کا ترجمہ: ''بلاشبہ مسیح تو مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے، اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جسے اس نے مریمؑ کی طرف ڈالا اور اسکی روح'' کیا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:

''سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلمہ ہے کہ اسے مریم کی طرف ڈالا اور اسکی طرف سے ایک روح ہے۔'' اشرف علی تھانویؒ نے اس کا یوں ترجمہ کیا ہے: ''مسیح عیسی ابن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ ہیں، جسکو اس نے مریم تک پہنچایا اور اسکی طرف سے ایک جان ہیں۔''

ان دونوں ترجموں سے واضح ہے کہ مسیح مبتداءاور عیسی ابن مریم خبر نہیں بلکہ المسیح عیسی ابن مریم مبتداءاور رسول اللہ پہلی خبر ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر عیسی ابن مریم پہلی خبر ہوتی اور رسول اللہ دوسری خبر تو رسول اللہ سے پہلے 'و' بمعنی 'اور' آتا، جیسے دوسری خبر کلمۃ اور تیسری خبر روح منہ میں ہر ایک سے پہلے 'و' لایا گیا ہے۔

اپنے غلط ترجمہ سے طاہر سورتی مرحوم نے بڑی چابکدستی سے یہ مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسیح تو اپنی والدہ مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے، کسی باپ کا بیٹا نہیں۔اور یہ بات قطعاً خلاف قرآن ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا باپ ہونا تو سورۃ الانعام آیات کریمہ 85 تا 87 ومن آبائهم وذريتهم واخوانهم سے بلاشک وشبہ ثابت ہے۔

طاہر سورتی کا نام عبدالرحمان ہے اور ان کے والد کا نام محمد ہے۔اگر کہا جائے کہ "عبدالرحمان طاہر سورتی ولد علامہ محمد سورتی نے لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب عربی کا امتحان اولیت کے ساتھ پاس کیا" تو کیا قاری کا ذہن اس طرف جائے گا کہ کہنے والے نے یہ بتانا چاہا ہے کہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی تو اپنے والد علامہ محمد سورتی کے بیٹے تھے، انکی کوئی والدہ نہیں تھی؟ قاری صرف یہ سمجھے گا کہ طاہر صاحب جن کے والد کا نام محمد سورتی ہے، فاضل ادب عربی کے امتحان میں جو انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے پاس کیا تھا، اول آئے تھے۔اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں تمام درختوں کی قلمیں اور سمندر سیاہی کا کام دیں تو بھی یہ کلمات ختم نہیں ہو سکتے تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے کہنے سے ظہور میں آنے کی وجہ سے ہر مخلوق عیسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہے۔نطفہ وعلقہ جن سے حکم الٰہی کے ذریعے ترکیب پا کر روح وجسم کا مرکب انسان بنتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے قدرتی اور خارجی کلمات ہیں، جو عورتوں کی طرف ڈالے جاتے ہیں۔کلمہ اور روح کی تشریح پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ان میں سے کسی لفظ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

اسی طرح لقد جئت شیئا فریا (مریم 19:27) کا مفہوم یہ ہے "اے مریم تو نے ایک انوکھا کام کیا ہے۔" اس سے اعتراض کرنے والوں کی مراد یہ تھی کہ مریمؑ نے متولیوں کے بغیر نکاح کر لیا ہے، جو عیسیٰؑ کی پیدائش کا موجب ہوا ہے۔حضرت عیسیٰؑ نے حضرت مریم کی طرف سے اشارہ پا کر کہ وہ اس اعتراض کا جواب دیں، جو کچھ کہا اس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ انہوں نے کہا ہو کہ "میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں"۔بلکہ یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ان کی والدہ کا متولیوں کی اجازت یا توسط کے بغیر نکاح کرنا غلط یا خلاف

شریعت ہوتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا نہ بناتا۔ یاد رہے کہ حضرت مریم نے ہیکل سے نکل کر اور اپنے گھر آ کر اللہ تعالیٰ کے فرستادہ سے جو اس بچے کا باپ بننے کے لئے نکاح کی غرض سے آیا تھا نکاح کیا جسکی انہیں بشارت دی گئی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوئیں اور اس بیٹے کو پیٹ میں لیا۔

اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم ''حضرت مریمؑ راہبہ تھیں'' کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں:

حضرت مریمؑ راہبہ تھیں۔ جناب پرویز یہودیوں کے اس بہتان کی کیا توجیہہ کرتے ہیں، یہ ذرا ان کے الفاظ میں سُن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ''حضرت مریم ایک راہبہ کی زندگی بسر کر رہی تھیں جسے دنیاوی علائق سے کچھ واسطہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ساری عمر تجرد میں گذار دینی چاہئے۔ آپ (مریم) کو خدا کی طرف سے اشارہ ملا کہ انہیں متاہل زندگی بسر کرنی ہوگی، کیونکہ انہیں ایک عظیم الشّان رسول کی امین بننا تھا۔ اس طے شدہ امر (اَمْرًا مَّقْضِیًّا) کے مطابق حضرت مریمؑ نے خانقاہ کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی اختیار کی، لیکن یہودیوں کے نزدیک یہ کوئی چھوٹا جرم نہ تھا۔ ایک راہبہ کی زندگی چھوڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لینا مشرب خانقاہیت میں ارتداد سے کم نہ تھا، اس لئے انہوں نے حضرت مریمؑ کو موردِ طعن و تشنیع بنایا اور اپنے جوشِ انتقام میں اس پیکرِ عفت و ناموس کے خلاف طرح طرح کے الزام تراشے۔ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (نساء ۴: ۱۵۶) یعنی ان کے نزدیک ایک راہبہ کا نکاح، نکاح ہی نہیں قرار پا سکتا تھا۔ اس لئے اس کی اولاد کس طرح مستحسن نگاہوں سے دیکھی جا سکتی تھی؟ الخ (شعلہ مستور صفحہ ۱۰۱،۱۰۲)

پرویز صاحب کے اس بیان میں بہت سی باتیں قرآن مجید کے خلاف ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ حضرت مریمؑ راہبہ کی زندگی گذار رہی تھیں۔

(۲) ثانیاً یہ کہ رہبانیت خانقاہیت حضرت عیسیٰؑ سے پہلے وجود پذیر تھی۔

(۳) ثالثاً یہ کہ حضرت مریمؑ ایسی راہبہ کی زندگی گذار رہی تھیں جن کو ساری عمر تجرد میں گذارنا تھی۔

(۴) رابعاً یہ کہ خانقاہیت کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی گذارنے پر یہودی انہیں موردِ طعن و تشنیع قرار دیتے تھے۔

قرآن مجید سے تو ان چاروں باتوں کا کہیں بھی سراغ نہیں ملتا، البتہ نا قابل اعتماد تاریخی ذرائع سے شاید ان باتوں کو کسی طرح سہارا مل جائے۔ قرآن مجید تو کہتا ہے کہ جب حضرت مریمؑ کی والدہ نے اپنے پیٹ کے بچے کو راہ خدا میں بطور نذر دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نذر کو خوشی سے قبول فرما لیا۔

ساتھ ہی قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کی نذریں اور اعمال قبول فرماتا ہے جو حدود اللہ کے اندر رہتے ہیں۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (27:5) (صفحہ ۴۳،۴۴)

طاہر سورتی مرحوم کی مذکورہ بالا تصریحات پر گفتگو سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس طویل بیان کے دوران انہوں نے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی سامنے لایا جائے اور اس پر بھی بات کی جائے۔

حاشیہ (۱) خانقاہیت (MONASTICISM) کی زندگی مذہب عیسویت کی ایجاد نہیں اس کے آثار اس سے پہلے یہودیوں کے ہاں بھی موجود تھے اور مصریوں میں بھی خود حضرت مریم ؑ کی ابتدائی زندگی کے حالات اس پر شاہد ہیں کہ یروشلم کے ہیکل (خانقاہ) میں راہب وراہبات ہوتی تھیں یہ تارک الدنیا لوگ عبادات میں مشغول رہتے اور انبیائے یہود کی پیش گوئیوں کے ماتحت ایک آنے والے مسیح کا انتظار کرتے۔ الخ (حاشیہ شعلہ مستور صفحہ 106) پرویز صاحب کا یہ نوٹ قرآن مجید اور تاریخ دونوں کے خلاف ہے تفصیل آگے دیکھئے۔ (صفحہ:۴۴)

حاشیہ (۲) کیا ہی اچھا ہوتا کہ پرویز صاحب حوالہ دے دیتے کہ کس کتاب میں اللہ نے حضرت مریمؑ کو یہ اشارہ کیا تھا، بہرحال ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ قرآن میں ہے نہ انا جیل میں۔ یہ پرویز صاحب کی من گھڑت بات ہے اور حیرت ہے کہ پرویز صاحب اپنے دل کی بات کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر رہے ہیں؟!!! اس کے بعد اگلی تمام عبارت محض لفاظی ہے۔ (صفحہ:۴۴)

پہلا حاشیہ جو پرویز مرحوم کی کتاب شعلہ مستور سے ایک اقتباس پر مشتمل ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ: رہبانیت سے ملتی جلتی شکل پہلے بھی رائج تھی، جیسا کہ سیموئل 1 باب 1 آیت 11:9 (تورات) سے واضح ہے، جہاں کہا گیا ہے:

> ''اور جب وہ سیلا میں کھا پی چکے تو حنہ اٹھی۔ اس وقت عیلی کاہن خداوند کی ہیکل کی چوکھٹ کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ نہایت دلگیر تھی۔ سو وہ خداوند سے دعا کرنے اور زار زار رونے لگی اور اس نے منت مانی اور کہا: اے رب الافواج! اگر تو اپنی لونڈی کو فراموش نہ کرے اور اپنی لونڈی کو فرزند نرینہ بخشے تو میں اسے زندگی بھر کے لئے خداوند کی نذر کر دوں گی۔''

حضرت مریمؑ کی والدہ نے کہا ''میں اپنے پیٹ کے بچے کو تیری خدمت کے لئے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں''۔ (آل عمران آیت 35 ترجمہ طاہر سورتی مرحوم) پھر رہبانیت خانقاہی نظام کا دوسرا نام ہے: راہب کا معنی ''لوگوں سے کنارہ کش ہو کر بغرض عبارت خانقاہ میں عزلت نشیں'' ہے اور راہبہ اس کا مونث ہے۔ یعنی اسی طرح خانقاہ میں عزلت نشین خاتون۔ خانقاہوں میں راہب اور راہبات تجرد کی زندگی گزارتے ہیں، عائلی زندگی نہیں۔ اپنی کتاب کے صفحہ 44 پر آخری سے پہلے پیرے میں، طاہر سورتی مرحوم خود فرماتے ہیں۔ ''تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ انہیں قطعاً اس قسم کی راہبہ نہیں بنا رہی تھیں، جسکی اولاد نہیں ہو گی اور جو تجرد کی زندگی گذارے گی، ورنہ وہ یوں نہ کہتیں کہ میں اسے اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں، صرف یہ کہتیں کہ میں اسے (مریم کو) تیری پناہ میں دیتی ہوں''۔ اس اقتباس سے واضح ہے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ انہیں راہبہ تو بنا رہی تھیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ جوان ہو کر شادی کریں اور انکے ہاں اولاد ہو۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رِعایتھا (الحدید 27:57) کا مفہوم

یہ ہے کہ عیسائیوں نے رہبانیت کو بدعت بنالیا، اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر فرض نہیں کیا مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہنے کے لئے یہ کیا، پھر جیسا نگاہ رکھنے کا حق تھا اسکو نگاہ نہ رکھا۔"

حضرت مریمؑ کی والدہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو راہ خدا میں وقف کرنے کی نذر مانی تھی یہ وقف زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت مریمؑ کی والدہ کا خیال تھا کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا لیکن خلاف توقع بیٹی ہوئی، تو انہوں نے اپنی نذر میں ترمیم کرلی، بیٹی کا نام مریم (خدا کی خادمہ) رکھا اور کہا "میں اسے اور اسکی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں (ترجمہ طاہر سورتی مرحوم) لہٰذا پرویز مرحوم کا یہ کہنا درست ہے کہ خانقاہ کی زندگی مذہب عیسویت کی ایجاد نہیں، اس سے پہلے بھی، یہودیوں کے ہاں بھی ایسا کچھ ہوتا تھا۔ سموئیل جسے حنہ نامی اسرائیلی عورت نے زندگی بھر کے لئے خداوند کو نذر کرنے کی منت مانی تھی، اس منت کے بعد میاں بیوی کے ملاپ کے نتیجہ میں پیدا ہوا اور دودھ چھڑانے کے بعد ہیکل کے سپرد کردیا گیا تھا۔

دوسرا حاشیہ: طاہر سورتی مرحوم، پرویز مرحوم کے شعلہ مستور صفحہ 101-102 میں درج ذیل فقرہ "آپ (مریم) کو خدا کی طرف سے اشارہ ملا کہ انہیں متاہل زندگی بسر کرنی ہوگی،" پر لکھتے ہیں: کیا ہی اچھا ہوتا کہ پرویز صاحب حوالہ دے دیتے کہ کس کتاب میں اللہ نے حضرت مریمؑ کو یہ ارشاد کیا تھا۔ بہر حال ہم آپ کو بتاتے ہیں، کہ یہ قرآن میں ہے نہ اناجیل میں۔ یہ پرویز صاحب کی من گھڑت بات ہے اور حیرت ہے کہ پرویز صاحب اپنے دل کی بات کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کررہے ہیں؟ اس کے بعد اگلی عبارت محض لفاظی ہے۔"

طاہر سورتی تھوڑا سا غور کرلیتے تو انہیں اس اشارے کا سراغ سورہ آل عمران کی آیات 42 و 46 میں مل جاتا۔ طاہر سورتی نے محراب "عبادت گاہ" کے معنی میں لیا ہے۔ اس عبادت گاہ میں حضرت مریمؑ کی رہائش تھی جیسا کہ ارشاد ہے: **کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا** (آل عمران 3:37) (جب کبھی زکریا محراب (عبادت گاہ) میں اس (مریم) کے پاس داخل ہوتے تو اس کے پاس کوئی رزق (کھانے کی چیز) پاتے (ترجمہ طاہر سورتی مرحوم) سورۃ آل عمران ہی کی آیت 44 میں ہے **وما کنت لدیهم اذ یلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم وما کنت لدیهم اذ یختصمون** اور (اے رسول) تو اس موقع پر انکے پاس موجود نہ تھا جب وہ قرعہ اندازی کے ذریعے یہ طے کررہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور تو اس موقع پر بھی ان کے پاس نہ تھا جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے (ترجمہ طاہر سورتی مرحوم)

یہ قرعہ اندازی اور یہ جھگڑا کرنے والے کون تھے۔ یہ اس عبادت گاہ کے مجاور تھے۔ کیا اس وقت

حضرت مریم عبادت گاہ میں تجرد کی زندگی نہیں گذار رہی تھیں؟ ان دنوں ہی ملائکہ نے حضرت مریمؑ سے کہا تھا، "بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا
اذ قالت الملئكة يمريم ان الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى ابن مريم ـــ " (آل عمران 3:45)
پرویز مرحوم کا اشارہ اسی طرف ہے، کیونکہ بچہ کی پیدائش کی بشارت کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ تجرد کی زندگی چھوڑ کر شادی کریں گی اور اس شادی کے نتیجہ میں وہ ایک نبی کی والدہ بنیں گی۔
اسمه المسيح عيسى ابن مريم میں مسیح لقب عیسیٰؑ نام اور ابن مریم کنیت ہے، جس سے وہ مشہور ہوئے، یہ سامنے کی بات ہے لیکن طاہر سورتی مرحوم کو پتہ نہیں کیوں نظر نہیں آتی بلکہ الٹا وہ چیلنج کرنے پر اتر آئے اور فرمایا:

"بہر حال ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ قرآن میں ہے نہ اناجیل میں۔"

طاہر سورتی مرحوم اس کے بعد اگلی تمام عبارت کو محض لفاظی قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت مریمؑ ہیکل چھوڑ کر اپنے گھر چلی آئیں، جہاں انہیں وہ شخص ملا جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور اسلئے بھیجا تھا کہ وہ انہیں ایک پاکیزہ لڑکا دینے کا باعث بنے، اس شخص نے حضرت مریمؑ سے نکاح کیا، جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ ناصرہ جاتے ہوئے راستہ میں درد زہ ہوا اور حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ طاہر سورتی مرحوم اس سلسلہ میں وارد آیات کی وضاحت نہیں کرتے، کیا جو شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریمؑ کو ایک پاکیزہ لڑکا دینے کے لئے بھیجا گیا تھا انکے ستر میں پھونک لگا کر اس طرح منزل کر کے اور حاملہ کر کے چلتا بنا تھا؟ کیا وجہ ہے کہ طاہر سورتی مرحوم فَانْتَبَذَتْ بِهٖ میں ہ کی ضمیر مجرور اس شخص کی طرف نہیں لوٹاتے، بلکہ پیٹ کے بچہ کی طرف لوٹاتے ہیں جو قطعاً غلط ہے، اس شخص نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں انکی والدہ کی مدد کی، وہی فَنَادٰىهَآ، اَلَّا تَحْزَنِيْ ، وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ ، فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۔ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا کا فاعل ہے۔ یہ باتیں طاہر سورتی مرحوم نے اپنے ترجمہ میں کیوں مبہم رکھیں۔ یہ وہ شخص ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا چنانچہ وہ مریم کے مثل و مانند بنا (یعنی اسے بھی حضرت مریم کی طرح بشارت دی گئی کہ وہ حضرت مریم سے نکاح کر کے اس بیٹے کا باپ بنے گا، جسکی حضرت مریم کو بشارت دی گئی۔ روح کا ترجمہ نہ کرنا اور صفحہ ۵۹ پر جا کر تشریح کرنا کہ "اور اسی حالت میں جب وہ اپنے گھر والوں سے دور چلی گئیں ان کو فرشتہ نے بچہ دیا" حالانکہ اس موقع پر فرشتے بلکہ کسی کے بھی بچہ دینے کا مطلق کوئی ذکر نہیں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے، جہاں طاہر سورتی مرحوم کی تشریح کو غلط

ثابت کیا گیا ہے یہ شخص (فرستادہ) ایک تندرست انسان تھا فرشتہ نہیں تھا۔

یہ بات نا قابل تصور ہے کہ حضرت مریمؑ جو حاملہ تھیں اور زچگی کے ایام قریب تھے تن تنہا بیت المقدس (یروشلم) سے ناصرہ کے سفر پر روانہ ہوگئی ہوں۔ طاہر سورتی نے اس بات کو چھپایا ہے کہ حضرت مریم کا شوہر ان کے ساتھ تھا۔ اور راستہ میں جو کچھ ہوا وہ اس کے سامنے ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی اور بچہ کو لے کر اپنے وطن ناصرہ پہنچا جہاں یہ دونوں ماں بیٹا اس کے پاس رہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ جوان ہوئے، انہیں کتاب دی گئی اور نبی بنایا گیا، اس وقت حضرت مریم کا شوہر فوت ہو چکا تھا۔ اس موقع پر حضرت مریمؑ اپنے بیٹے کو سوار کرا کر اپنی قوم کے پاس لائیں قوم کی طرف سے اعتراض پر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں۔ اس پر آپ نے کہا قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ؎ : بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا الخ۔ طاہر سورتی مرحوم کی خلاف حقیقت دلیل ملاحظہ ہو کہ اس قول کہ بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا الخ کو بچہ کا قول قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قال کا ترجمہ انہوں نے "اس (بچہ) نے کہا" کیا ہے اور روایات کی بندھی ہوئی پٹی سے یہ محسوس نہ کر سکے کہ اس بچہ نے جو کچھ کہا وہ کسی بچہ سے متوقع ہی نہیں ہو سکتا۔ طاہر سورتی مرحوم نے پرویز مرحوم کے متعلق ارشاد فرمایا:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں　　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہ شعر پرویز مرحوم پر نہیں بلکہ طاہر سورتی مرحوم پر صادق آتا ہے۔

جہاں تک سورہ المائدہ کی آیت 110 کا تعلق ہے تو یہ طاہر سورتی مرحوم نے اپنی کتاب کے صفحہ 78 پر بھی پیش کی ہے لہٰذا اس کے متعلق گفتگو بھی وہیں کی جائیگی۔

جہاں تک طاہر سورتی مرحوم کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ پرویز صاحب کے اس بیان میں بہت سی باتیں قرآن مجید کے خلاف ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ حضرت مریم راہبہ کی زندگی گذار رہی تھیں۔

(۲) ثانیاً یہ کہ رہبانیت خانقاہیت حضرت عیسیٰؑ سے پہلے وجود پذیر تھی۔

(۳) ثالثاً یہ کہ حضرت مریم ایسی راہبہ کی زندگی گذار رہی تھیں جن کو ساری عمر تجرد میں گذارنا تھی۔

(۴) رابعاً خانقاہیت کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی گذارنے پر یہودی انہیں مورد طعن و تشنیع قرار دیتے تھے۔

ان کے متعلق عرض ہے:

(1) حضرت مریمؑ ہیکل میں راہبہ کی زندگی گذار رہی تھیں۔ اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔

(2) اس کے ثبوت میں تورات کی کتاب سیموئیل کے باب 1 سے اقتباس اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ رہبانیت کو عیسائیوں نے بدعت بنا لیا تھا۔

(3) حضرت مریم کو فرشتوں نے لڑکے کی بشارت دیکر، اسی طرف متوجہ کیا کہ وہ تجرد کی زندگی کو خیر باد کہہ کر متاہل زندگی اختیار کریں۔

(4) یہ تو جناب طاہر سورتی مرحوم بھی کہتے ہیں۔ سورہ مریم کی آیت 27 کا ترجمہ جو انہوں نے کیا ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ ترجمہ یوں ہے: "ان لوگوں نے کہا اے مریم تو نے بڑی عجیب اور غیر قانونی حرکت کی ہے" کیا یہ غیر قانونی حرکت متاہل زندگی اختیار کرنے کے سوا کچھ اور تھی۔ وہ ہیکل چھوڑ کر اپنے گھر آ گئیں، جہاں انہوں نے اس شخص سے نکاح کیا جسے اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ اور اس نکاح کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

طاہر سورتی مرحوم کا یہ کہنا کہ:

> "جب حضرت مریمؑ کی والدہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو راہ خدا میں بطور نذر دے دکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نذر کو عمدگی سے قبول فرمالیا۔ ساتھ ہی قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کی نذریں اور اعمال قبول کرتا ہے جو حدود اللہ کے اندر رہتے ہیں۔ انما یتقبل اللّٰہ من المتقین (مائدہ 27:5)"

یہاں یہ عرض ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نذر قبول کرنے کی بات نہیں کی، بلکہ مریم کو قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ خود طاہر سورتی مرحوم کے ترجمے سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔ انکا ترجمہ ہے:

"تو اس (مریمؑ) کے رب نے اسے (مریم کو) نہایت عمدگی سے قبول کر لیا۔"

جہاں تک انما یتقبل اللّٰہ من المتقین (مائدہ 27:5) کا تعلق ہے تو یہ ہابیل کا قول ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے (اعمال) قبول کرتا ہے۔ طاہر سورتی بعض آیات کو گھما پھرا کر بار بار لاتے ہیں تا کہ اپنا موقف ثابت کریں۔ وہ آیت (الحدید 27:57) پیش کر کے جو رہبانیت کے متعلق ہے فرماتے ہیں:

> "اس آیت سے ثابت ہے کہ رہبانیت کی بناء سب سے پہلے عیسائیوں نے ڈالی، پہلے یہ مذہبی روایت موجود نہ تھی، اس آیت کے ہوتے ہوئے حضرت مریم کو راہبہ بنا دینا جناب پرویز کی اندھی غفلت پرستی کی کرشمہ سازی نہیں تو اور کیا ہے۔"

رہبانیت کے متعلق عیسائیوں کے کردار کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ توریت سے بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ بچہ کو ہمیشہ کے لئے دینی خدمت کے لئے نذر کرنا پہلے بھی ہوتا تھا۔ حضرت مریم ہیکل میں تجرد کی زندگی ہی گزار رہی تھیں۔ اس کو غلط پرستی کی کرشمہ سازی قرار دینے کی کیا تک ہے۔

طاہر سورتی مرحوم آیت (آل عمران 36:3) اور اس کا ترجمہ پیش کر کے، جو پہلے دیا جاچکا ہے فرماتے ہیں:

''اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ انہیں قطعاً اس قسم کی راہبہ نہیں بنا رہی تھیں جس کے اولاد نہیں ہوگی اور جو تجرد کی زندگی گذارے گی، ورنہ وہ کیوں کہتیں کہ میں اسے اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں، صرف یہ کہتیں کہ میں اسے (مریم کو) تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

پھر یہ ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جو صرف ان لوگوں کے اعمال قبول فرماتا ہے جو قانون خداوندی کے حدود میں رہتے اور تقویٰ شعار ہوتے ہیں، کیونکر ایسی ''راہبہ'' کو شرف قبولیت بخش دیتا جو اس کے قانون کے خلاف ہو۔ یہ کتنا تضاد ہے کہ ایک طرف تو کہا جا رہا ہے: فتقبلها ربها بقبول حسن ($\frac{3}{36}$)، اور دوسری طرف کہہ رہا ہے: و رهبانية ابتدعوها ما كتبنا ها عليهم ($\frac{57}{27}$) اور تیسری طرف اسکی ماں انہیں راہبہ بنانے کے لئے نذر خدا کرتے وقت یہ دعا بھی مانگتی ہیں: انی اعیذها بک وذریتها من الشیطٰن الرجیم (۳۶) (میں اسے (مریم کو) اور اسکی اولاد کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھنے کے لئے تیری پناہ میں دیتی ہوں)۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ ہوتا ہے بصیرت قرآنی کا نتیجہ — الخ

طاہر سورتی مرحوم کے مندرجہ بالا ارشادات عالیہ کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت مریم کی والدہ انہیں اس قسم کی راہبہ نہیں بنا رہی تھیں، جس کے اولاد نہیں ہوگی اور جو تجرد کی زندگی گزارے گی بلکہ انکی خواہش تھی کہ وہ جوان ہو کر شادی کر کے اپنا گھر بسائے اور اس کے اولاد ہو۔ مگر طاہر سورتی اس بات کو نہیں مانتے کہ مریمؑ جوانی میں شادی کر کے اولاد پیدا کرنے کے لئے راہبہ بنائی گئی تھیں۔ وہ ان آیات کو بار بار لا کر ایک ہی بات کہے جا رہے ہیں۔ لیکن اس سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آیات میں کوئی تضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو قبول فرمایا، ان کو اور انکی اولاد کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی پناہ میں رکھنے کی دعا بھی قبول فرمائی اور جب مریمؑ ہیکل میں جوانی کو پہنچیں اور بدنیت مجاوروں کے شر سے بچنے کے لئے دعائیں کرتی تھیں تو فرشتوں کے ذریعے انکو ایک بیٹے کی بشارت دلوائی، جو اس طرف اشارہ تھا کہ وہ نکاح کرلیں اور متاہل زندگی گزاریں، چنانچہ وہ ہیکل سے نکل کر اپنے گھر آگئیں اور نکاح کرلیا۔ طاہر سورتی مرحوم نے روح کے متعلق جو موقف اختیار کیا ہے، انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ وہ خود حضرت مریمؑ کی طرف سے متاہل اور عائلی زندگی اختیار کرنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی

کرتے ہوئے ذرا بھی خوف خدا نہیں کرتے اور روح کو انسانی روپ میں ایک فرشتہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اسے حضرت مریمؑ کے سامنے لے جا کر چھومنتر کے بل بوتے پر اس پاکدامن خاتون کو جو عیسیٰؑ علیہ السلام کی والدہ بنیں، حاملہ کرواتے ہیں، مگر انسان تسلیم نہیں کرتے تا کہ حضرت عیسیٰ کو بے باپ اور حضرت مریم کو کنواری ماں ثابت کر سکیں۔

طاہر سورتی مرحوم کے دل میں جو مخالفت پوشیدہ چلی آرہی تھی، اب کھل کر سامنے آرہی ہے فرماتے ہیں:

"ان واضح آیات قرآنی کی شہادت کے بعد پرویز صاحب کی راہب والی ساری داستان کا قلعہ، جسے انہوں نے بڑی محنت سے اپنی دماغی اپج یا "اولیاء" کے تعاون سے تعمیر کرنے کی سعی ناکام کی تھی زمین پر آرہتا ہے اور اس طرح یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہودی جو حضرت مریمؑ کو مورد طعن و تشنیع بناتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک ایسے بچہ کی ماں بن گئی تھیں، جس کا باپ انہیں قانونی طور پر نظر نہیں آرہا تھا؟"

حضرت جی! مجاور تو حضرت مریمؑ کے سرپرست اور کفیل بننے کے لئے قرعہ اندازی کے بعد اس کے نتائج سے متفق نہ ہونے کی وجہ سے آپس میں جھگڑا تک کر چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک حضرت مریمؑ کا سرپرست اور کفیل اور دوسرے لفظوں میں شوہر بننا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بُری طرح نامراد ونا کام کر دیا۔ حضرت مریم فرشتوں کی طرف سے بشارت کے بعد ہیکل سے نکل کر اپنے گھر آ گئیں اور انتظار کرنے لگیں اللہ تعالیٰ نے وہاں انکے رشتہ دار (یوسف نجار) کو بھیج دیا جس سے انہوں نے نکاح کیا۔ یہ لوگ اس نکاح کو کیسے درست تسلیم کر سکتے تھے، جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰؑ کا باپ قانونی طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔ انہیں ہی کیا، خود طاہر سورتی مرحوم کو بھی وہ باپ قانونی طور پر اس لئے دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ وہ روح کو فرشتہ قرار دیتے ہیں اور فرشتہ کسی انسان کا باپ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو قبول کیا تھا اور انکی والدہ کے اس عمل کو بھی قبول کیا تھا جسکی رو سے انہوں نے اپنی بیٹی کو دینی خدمت کے لئے نذر کرتے ہوئے انہیں اور انکی اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا تھا، چنانچہ ہیکل میں جب مریمؑ جوانی کو پہنچیں، تو فرشتوں کی طرف سے بشارت کے پیش نظر اور مجاوروں کے شر سے بچنے کے لئے ہیکل چھوڑ کر اپنے گھر آ گئیں اور وہاں نکاح کر لیا، جس کے نتیجہ میں اولاد بھی ہوئی، جسے طاہر سورتی مرحوم بڑی عجیب اور غیر قانونی حرکت کہتے ہیں، جس کا ان یہودی مجاوروں یا متولیوں کی نظر میں حضرت مریم نے

انکار کیا تھا یہ غیر قانونی حرکت یہی تھی کہ حضرت مریمؑ انکی اجازت کے بغیر ہیکل چھوڑ کر اپنے گھر آگئیں اور نکاح کر لیا۔ لہٰذا یہ مجاور یا متولی انکے پلو تھے لڑکے کے باپ کو حضرت مریمؑ کا شوہر نہیں مانتے تھے، جس طرح طاہر سورتی مرحوم وضعی روایات پر مبنی بصیرت سے اس نیک روح کو حضرت عیسیٰؑ کا باپ نہیں مانتے جسے حضرت مریمؑ کی طرح بشارت دینے کے علاوہ بشارت دیئے گئے بیٹے کا بذریعہ نکاح باپ بننے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اور طاہر سورتی فرشتہ کو بڑے بھونڈے انداز میں موزوں قد وقامت کے انسان کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ طاہر سورتی مرحوم نے رہبانیت کی یہودیوں میں نفی ثابت کرنے کے لئے چار حوالے درج کئے ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۲ صفحہ ۹۷ کالم ۱ (مصنفہ جیمز ہیسٹنگز) عنوان Asceticism (ترک دنیا، رہبانیت مسلک خانقاہیت) رہبانیت کے لئے یہودیت میں کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ اس کا دارومدار ایمان باللہ اور میثاق باللہ پر ہے۔ درحقیقت میثاق کے تصور نے رہبانیت کے تصور کو نا ممکن کر دیا تھا۔

(۲) سٹینڈرڈ جیوئش انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۱۷۵ کالم ۱ (مصنفہ سیسل رُوتھ) عنوان Asceticism

"یہودیت کا بنیادی مزاج رہبانیت کے خلاف ہے کیونکہ اس کی رو سے تمام اشیاء سے استفادہ کرنے میں خیر ہے، بشرطیکہ یہ استفادہ مناسب حدود وقیود میں محصور رکھا جائے۔"

(۳) این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن صفحہ ۴۱ کالم ۱ (مصنفہ ورجیلیس فرم) عنوان Asceticism

"رہبانیت یہودیت کے مزاج کے منافی تھی، اور یہ نتیجہ غیر فطری بھی نہیں تھا۔ کیونکہ رہبانیت میں روح اور جسم کی ...ثنویت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

(۴) این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس صفحہ ۳۸ کالم ۱ (مصنفہ کینی) عنوان Asceticism

"رہبانیت کو یہودی مذہب میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں تھا" بحوالہ ریلیجن دی میکنگ (مصنفہ ایس جی اسمتھ) (صفحہ: ۴۷-۴۸)

قرآن مجید اور تورات سے حوالوں کے بعد اصولی طور پر ان حوالوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، تاہم چوتھے حوالے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ، یہودی مذہب میں رہبانیت پائی جاتی تھی مگر وہ نمایاں حیثیت کی حامل نہ تھی۔

قرآن مجید میں حضرت مریم کی والدہ ماجدہ کا قول:.....اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا .....(آل عمران، 35) (میں نے اپنے پیٹ کے بچے کو تیری اطاعت اور خدمت کے لئے وقف کرنے

کی نذر مانی ہے) بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ بچہ کو تجرد کی زندگی اختیار کرنا تھی۔ المنجد کے مطابق راہب کا معنی "لوگوں سے کنارہ کش ہو کر بغرض عبادت خانقاہ میں عزلت نشین" ہے۔ عزلت نشینی تجرد کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے، تورات میں کتاب سموئیل باب 1 کی آیات 9 تا 11 سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو اپنے مقام پر اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طاہر سورتی مرحوم تجرد کی زندگی کے مخالف اور عائلی زندگی کے مؤید ہونے کے باوجود حضرت مریمؑ کے نکاح کر لینے کے کیوں منکر ہیں، اور کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت مریمؑ نے جوانی کو پہنچنے پر خانقاہ کو خیر باد کہا اور اس شخص کے نکاح میں آ گئیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس پاکیزہ لڑکا دینے کا موجب بننے کیلئے بھیجا تھا، پاکیزہ بیٹا وہ ہوتا ہے جو حلال زادہ ہو اور حلال زادہ وہ ہوتا ہے جو اپنے ماں باپ کے جائز اختلاط سے پیدا ہو۔ اگر اس شخص نے حضرت مریمؑ سے نکاح نہیں کیا اور اس نکاح کے نتیجے میں حضرت مریمؑ حاملہ نہیں ہوئی تھیں، تو اللہ تعالیٰ کا اسے مریمؑ کے پاس بھیجنا اور اس کا یہ کہنا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دوں، بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

پرویز صاحب کی مجبوری کے عنوان سے، طاہر سورتی اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر، پرویز صاحب کا قول نقل کرتے ہیں:

"اب آیئے قرآن کریم کی طرف اس میں بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی، نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ یوسف کے بیٹے تھے۔" شعلہ مستور صفحہ 96 (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۴۹)

طاہر سورتی مرحوم کو پرویز مرحوم کو مطعون کرنے کے باوجود اتنی جرأت نہ ہوئی کہ تردید میں کہتے کہ "قرآن مجید میں بالتصریح لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی اور وہ یوسف کے بیٹے نہیں تھے۔" لیکن ڈھٹائی کے ساتھ حکم لگاتے ہیں کہ:

بایں ہمہ محرف اناجیل پر اعتماد کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں: پرویز صاحب کی نظر میں قرآن مجید حرف آخر نہیں ہے، وہ قرآن مجید سے پہلے بھی اناجیل اور دیگر اولیاء پر اعتماد کرنے کے لئے مجبور ہیں اور قرآن مجید کے بعد بھی اس کے مطالب کی شرح کے لئے اناجیل و اولیاء پر اعتماد کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ چنانچہ شعلہ مستور کے صفحہ 90 پر وہ لکھتے ہیں:

"قرآن کریم تک آنے سے پیشتر ہمیں ایک بار پھر اناجیل پر غور کر لینا چاہیے۔ اناجیل جیسی کچھ بھی آج ہیں۔ بہر حال انہی کے بیانات کو سامنے رکھا جائے گا۔ (اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے)"

''ملاحظہ فرمایا آپ نے پرویز صاحب کی بصیرت قرآنی کو جو قرآن سے بالتصریح یہ معلوم نہ کرسکی کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے یا باپ کے ذریعہ!! تحقیقی اور علمی دیانت داری کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب انہیں بالتصریح نہ بے باپ کے پیدا ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ بالتصریح باپ کے ذریعہ پیدا ہونے کا ثبوت ملتا ہے تو خاموشی اختیار کرلی ہوتی اور معارف القرآن میں اکاذیب و اباطیل کی آمیزش نہ کرتے، لیکن اگر پرویز صاحب کو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس مختلف فیہ عقیدہ کے متعلق قرآن کریم میں بالتصریح کچھ نہ مل سکا تو وہ بالاستعارہ، بالکنایہ اور بالمجاز تو بہت کچھ پاسکتے تھے۔ انہیں اتنی جلد قرآن مجید چھوڑ کر اربابا من دون اللّٰہ کے سایہء عاطفت میں پناہ گزیں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ قرآن مجید کو حرف آخر مانتے ہوئے، اس پر پورا اعتماد کرتے، اور من مانے معنوں کی تائید کے لئے اناجیل اور ''علمائے یورپ'' کی تحقیق پر بھروسہ نہ کرتے تو قرآن مجید وضاحت کے ساتھ بالتصریح انہیں اس بارے میں راہ راست پر پہنچا دیتا۔''

پھر یہ دیکھئے کہ پرویز صاحب مجبوراً جن اناجیل کی طرف رجوع کررہے ہیں۔ صحت کے لحاظ سے ان کی حالت یہ ہے کہ خود پرویز صاحب ان کے محرف اور ناقابل اعتماد ہونے کو بارہا تسلیم کرچکے ہیں (دیکھئے معراج انسانیت کا پہلا باب ظهر الفساد) شعلہ مستور میں بھی صفحہ ۲۰ پر اناجیل کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''یہ مجموعے اس قدر ناقابل اعتماد ہیں کہ خود عیسائی مورخین و محققین انکے بیانات پر بھروسہ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ اس دعویٰ کو بھی محل نظر سمجھتے ہیں کہ یہ اناجیل جن حواریوں کی طرف منسوب ہیں۔ در حقیقت انہی کی تالیف ہیں۔ بایں ہمہ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کے کوائف حیات کے متعلق عیسائیوں کے ہاں سب سے معتبر یہی ماخذ ہیں اس لئے ہمیں لامحالہ انہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔''

دیکھا آپ نے قرآن مجید کے علاوہ کسی چیز کو سند نہ ماننے کا مدعی کس قدر لاچار و مجبور ہوگیا ہے کہ باوجود ناقابل اعتماد ہونے کے حضرت عیسیٰؑ کے کوائف حیات کے لئے لامحالہ اسے اناجیل کی طرف رجوع کرنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ اسی صفحہ کی پشت پر وہ لکھ رہا ہے۔ کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور ذاتی کوائف حیات کے متعلق اس شرح و بسط سے تذکرہ ہے کہ کسی اور نبی کے متعلق اس قدر تفصیل نہیں بیان کیا گیا جائے یہ مرد مومن ہمارے ایمان کو تقویت دینے کے لئے غیر مستند اناجیل کی طرف رجوع کئے بغیر کوئی بات ہی نہیں کرسکتا! خدارا انصاف سے کہئے، کیا اسی کو قرآن پر ایمان کہا جائے گا۔ اور اس قسم کی خرافات سے لبریز کتاب کو ''معارف قرآن'' کے نام سے یاد کیا جائے گا؟

اچھا لیجئے اب ہم قرآن مجید سے وہ تصریحات بیان کرتے ہیں جن سے ہر سمجھدار آدمی یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوگا کہ حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے قبل شادی نہیں کی تھی، اور حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے لیکن یہ تصریحات اسی کو نظر آسکتی ہیں جو عربی ادب و لغت سے بہرۂ وافر رکھنے کے ساتھ اسالیب قرآن پر گہری نظر رکھتا ہو اور جسے عربوں کے عوائد و مراسم کا اچھی طرح علم ہو۔ (صفحہ ۴۹ تا ۵۱)

طاہر سورتی مرحوم نے ان اناجیل کا کوئی اقتباس پیش نہیں کیا، جن کے بارے میں پرویز مرحوم نے لکھا کہ قرآن کریم تک آنے سے پیشتر ان پر غور کر لینا چاہیے تھا۔

طاہر سورتی مرحوم کی پرویز مخالفت کی اصل وجہ تو مجھے معلوم نہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے ملاؤں کے بتائے ہوئے عقائد کے خلاف لکھنا شروع کر رکھا تھا، جن میں قرآن کے خلاف یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور حضرت مریمؑ انکی کنواری ماں تھیں۔ طاہر سورتی بھی بنیادی طور پر ایک ملا تھے۔ اور اغلب گمان ہے کہ ان کے والد علامہ محمد سورتی جن سے طاہر سورتی مرحوم نے علوم عربیہ ودینیہ حاصل کئے، یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کی آیات کو غلط مفہوم پہنا کر گھڑا گیا۔ جسکی قاطع تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ تصریح بھی ہے، جو مسجد نبوی میں عیسائیوں کے وفد سے مناظرہ میں فرمائی تھی:

اِنَّ عِیۡسٰی حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كَمَا تَحۡمِلُ الۡمَرۡاَةُ ثُمَّ وَضَعَتۡهُ كَمَا تَضَعُ الۡمَرۡاَةُ وَلَدَهَا ثُمَّ غُذِیَ كَمَا تُغَذِّی الۡمَرۡاَةُ الصَّبِیَ : مریمؑ کو اسی طرح یہ جائز حمل ہوا جس طرح کہ دیگر عورتوں کو جائز حمل ہوا کرتا ہے اور پھر اس نے اسی طرح وضع کیا جیسے کہ عورتیں اپنے اپنے حملوں کو وضع کیا کرتی ہیں اور پھر اسی طرح اسے دودھ پلا کر پرورش کیا گیا جیسے دیگر عورتیں اپنے اپنے بچوں کو دودھ پلا کر پرورش کیا کرتی ہیں۔

(عیون زمزم فی میلاد عیسیٰؑ ابن مریم مولفہ العلام حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی، صفحہ 106)

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریمؑ نے جائز حمل کے ذریعے انہیں اپنے پیٹ میں لیا، جس طرح تمام عورتیں حاملہ ہو کر لیتی ہیں۔ اور حمل مرد کے ذریعے قرار پاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے والد کا قرآنی ثبوت آیہ کریمہ (الانعام 88:6) ومن آبائھم و ذریتھم واخوانھم ..... میں موجود ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی کوئی آیت اسکے خلاف معنی کی حامل نہیں ہو سکتی کہ اس سے تضاد واقع ہو، اور قرآن مجید میں کوئی تضاد ممکن نہیں۔ آپؑ چونکہ اپنی کنیت سے مشہور تھے، اسلئے قرآن مجید نے ان کا عیسیٰ بن مریم کے نام سے ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں انسانی پیدائش کا فطری قانون بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا شدہ نہ مانا جائے۔ جہانتک طاہر سورتی مرحوم کے عربی ادب ولغت سے بہرہ وافر رکھنے کے ساتھ اسالیب قرآن پر گہری نظر کے حامل ہونے کے دعویٰ کا تعلق ہے تو متعلقہ آیات کے ان کے ترجمہ اور تشریح کی غلطی کی کئی جگہ نشاندہی کی جا چکی ہے۔ اناجیل سے رجوع ایک مجبوری ہے، کیونکہ وہ عیسائیوں

کے ہاں معتبر ہیں۔

بہر حال طاہر سورتی مرحوم کی اپنے متعلق تَعَلِّی کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اپنی کتاب (ابن مریم اور پرویز) کے صفحہ 51-52 پر ان کا کہنا ہے:

"عربوں کا دستور ہے اور قرآن مجید نے بھی عربوں کے اس دستور کی تصویب فرمادی ہے کہ جب لڑکی کنواری کا نام لیا جائے تو اسے باپ کی طرف منسوب کیا جائے اور جب بیاہی عورت کا نام لیا جائے تو اسے شوہر کی طرف منسوب کیا جائے۔" اور اس سلسلے میں امراۃ العزیز ، امراۃ لوط ، امراۃ فرعون اور امراۃ عمران کی مثالیں دیکر فرمایا ہے: لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید حضرت مریمؑ کو بجائے شوہر کے باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے مریم بنت عمران (۱۲/۶۶) مریم عمران کی بیٹی کہہ رہا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید حضرت مریمؑ کو غیر شادی شدہ تسلیم کرتا ہے۔ یہ اتنی بڑی تصریح ہے کہ اگر اس کے بعد اور کوئی تصریح نہ ہوتی تو بھی بات صاف ہوگئی تھی، لیکن قرآن مجید میں تو حضرت مریمؑ سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں اتنی تصریحات ہیں کہ انکی موجودگی میں کوئی اندھا بھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ قرآن مجید میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی!!!" (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۵۱،۵۲)

یہ آیت اس طرح پر ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ (التحریم 66:12) ترجمہ: اور (دوسری مثال) مریم عمران کی بیٹی کی (دی ہے) جس نے (ہیکل کے بے لگاموں کے شر سے) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، لہٰذا ہم (خدا) نے (ایک بشر رسول کے نکاح کے ذریعے سے اسکی شرمگاہ میں (روحوں میں سے) ایک روح کو نفخ کردیا۔ وہ اپنے رب کے قوانین اور اسکی کتابوں کی تصدیق کرتی تھی اور فرمانبرداروں سے تھی۔"

الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا سے جس کا اوپر ترجمہ دیا گیا ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ ہیکل میں کنواری تھیں، ہیکل سے گھر آکر شادی کی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے عمران کی بیٹی کہنے میں کوئی غلطی نہیں کی ہاں وضعی روایات کی عینک پہن کر کوئی اندھا ہو جائے اور اسے نظر نہ آئے تو یہ اور بات ہے۔ یہ مریمؑ کو امراۃ یوسف کہنے کا کوئی موقع نہ تھا اور جس موقع کے متعلق یہ آیت ہے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حضرت مریمؑ ساری عمر کنواری رہیں اسی لئے عیسیٰؑ کی کنواری ماں تھیں، صرف طاہر سورتی مرحوم سے ممکن ہے، جنہیں عربی ادب اور لغت سے بہرہ وافر ملا اور وہ اسالیب قرآن پر نظر رکھتے تھے، مگر یہاں تو عربی ادب ولغت میں تو انکا کمال نظر آرہا ہے اور نہ اسالیب قرآن پر گہری نظر رکھنے کا کوئی ثبوت مل رہا ہے۔ یہ مثال دینے سے اللہ تعالیٰ وتسامی نے یہ بھی چاہا ہے کہ دوسری مومنات بھی حضرت مریمؑ کے

نمونہ پر چلیں اور شادی کر کے نیک اولاد حاصل کریں، یہ مفہوم نہیں کہ وہ شادی نہ کیا کریں اور کنواری مائیں بنا کریں۔

اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲، ۵۳ پر رقمطراز ہیں:

(۲) اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَهِيَ مُحْصِنَةٌ: اب آیئے ذرا قرآن مجید کی رہنمائی میں اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء 21:91) پر غور کر لیں۔ لغت والے تو اس موضوع پر خوب بھٹکے ہیں اور چونکہ پرویز صاحب نے بھی اپنی "لغات القرآن" میں بجائے قرآن مجید سے لغت کا مفہوم متعین کرنے کے، انہی لغات کی اتباع کی ہے لہٰذا انہیں بھی لغویین کی حیرانی سے وافر حصہ ملا ہے۔ ویسے راغب نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بڑی حد تک قرآن مجید کے مطابق ہے وہ لکھتا ہے:۔

يُقَالُ اِمْرَأَةٌ مُحْصَنٌ وَمُحْصِنٌ فَالْمُحْصِنُ يُقَالُ اِذَا تُصُوِّرَ حِصْنُهَا مِنْ نَفْسِهَا وَالْمُحْصَنُ يُقَالُ اِذَا تُصُوِّرَ حِصْنُهَا مِنْ غَيْرِهٖ (المفردات مادہ حصن، صفحہ ۱۲۰) یعنی عورت کی صفت مُحْصَنٌ اور مُحْصِنٌ (ص پر زبر کے ساتھ مفعول اور ص پر زیر کے ساتھ فاعل) آتی ہے (ص پر زیر فاعل کے صیغہ سے) مُحْصِنٌ اس وقت کہا جاتا ہے، جب وہ خود اپنی عفت کی حفاظت کرے اور (ص پر زبر مفعول کے کے صیغہ سے) مُحْصَنٌ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی عفت کی حفاظت کرے"۔

دراصل قرآن مجید کے نقطہ سے عورت نگران و نگہبان کی محتاج ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ بھی عورتوں کو محصِنات (ص کو زیر کے ساتھ فاعل کے صیغہ سے) نہیں یاد کیا گیا۔ جو شخص قرآن مجید کا لغت قرآن مجید کے ذریعہ لکھنے کا مدعی ہو اس کا تو فرض ہے کہ ایسے معاملات میں قرآن مجید اور صرف قرآن مجید پر بھروسہ کرے تا کہ غیروں کے ضلال سے محفوظ رہے۔ دراصل عام قاعدہ یہی ہے کہ عورت محصَنة (ص پر زبر کے ساتھ مفعول) ہو۔ اس لئے کہ کوئی نگران ماں باپ بھائی شوہر وغیرہ بچپن سے لے کر آخر تک اسکی نگرانی و حفاظت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عورت خواہ ماں باپ وغیرہ کے ہاں محفوظ ہو خواہ شوہر کی نگرانی میں رہے وہ محصَنة کہلاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں شادی شدہ عورتوں کے لئے اُحْصِنَّ ($\frac{4}{25}$) فعل مجہول استعمال کیا گیا اور اسی فعل مجہول سے اسم مفعول مُحْصَنَاتٌ بنتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسے شوہر یا ماں باپ کی نگہبانی نصیب نہ ہو۔ ایسے موقع پر عورتوں کے لئے فعل معروف اَحْصَنَتْ استعمال ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی موخر الذکر کیفیت حضرت مریمؑ پر گذری جس کے لئے قرآن مجید نے کہا ہے اِنْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۝ (مریم، ۱۵) حضرت مریمؑ اپنے گھر والوں سے عزلت گزیں ہو کر مشرقی سمت میں کسی جگہ تنہا چلی گئی تھیں اور اپنے گھر والوں سے پردہ کر لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی عصمت و عفت کی خود ہی حفاظت کی اور ان کے لئے فعل معروف اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ($\frac{21}{9}$، $\frac{66}{12}$) استعمال ہوا۔

یاد رکھئے اسم فاعل ہمیشہ معروف فعل سے بنتا ہے۔ اس طرح حضرت مریمؑ قرآن کے بیان کے مطابق

مُحْصِنَۃٌ (ص پر زیر کے ساتھ بصیغہ فاعل) ہوئیں یعنی بے شادی شدہ، اپنی آپ نگران نہ کہ مُحْصَنَۃٌ (ص پر زبر کے ساتھ بصیغہ مفعول جس کے معنی ہوتے ہیں شوہر یا کسی دوسرے کی نگرانی میں رہنے والی۔ قرآن مجید میں اَحْصَنَتْ کے بعد فَرْجَهَا کے لفظ سے اس معنی کو تقویت مزید حاصل ہو رہی ہے اور تصریح ہو رہی ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنی فرج کی خود مالک و محافظ تھیں۔

پرویز صاحب نے بھی اپنی لغات القرآن میں اس بیان کی تائید کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

> راغب نے کہا ہے کہ مُحْصِنٌ (حفاظت کرنے والی) اس وقت کہتے ہیں جب وہ (غیر شادی شدہ حالت میں) اپنی عفت کی حفاظت آپ کرے۔ اور مُحْصَنٌ (جس کی حفاظت کی جائے) جب اس کی عصمت کی حفاظت شادی کے ذریعہ سے ہو جائے۔ (لغات القرآن جلد دوم صفحہ ۵۱۵)

یہ لیجئے پرویز صاحب کے الفاظ ہی سے مسئلہ صاف ہو گیا۔ حضرت مریمؑ کے لئے قرآن کریم نے معروف فعل استعمال کیا ہے۔ لہٰذا وہ مُحْصِنٌ ہوئیں نہ کہ مُحْصَنٌ۔ اب فرمایئے اتنی بڑی تصریح کے بعد بھی آپ یہی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ یوسف کے بیٹے تھے؟؟

محترم پرویز صاحب! قرآن مجید کے مطالعہ کے لئے قرآن مجید کی حدود میں رہنا فرض ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی حکمتیں واضح ہونے لگتی ہیں۔ اسی حدود میں رہنے کا نام تقویٰ ہے۔ قرآن مجید متقین کے لئے رہنما اور ہدایت بخش ہے لیکن جو لوگ قرآن مجید کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ تیس برس چھوڑ تیس صدیاں بھی اگر قرآن مجید کے مطالعہ میں لگا دیں تو قرآن مجید سے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ نہیں ملے گا۔ قرآن مجید کی حدود سے تجاوز فسوق کہلاتا ہے۔ اور قرآن مجید صاف کہہ رہا ہے: يضل به كثيرا و يهدى به كثيرا وما يضل به الا الفاسقين اس کے ذریعہ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو راہ بتاتا ہے اور اس کے ذریعہ صرف انہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو حدود سے تجاوز کرتے ہیں (۲/۲۶)

عقل مندوں کے لئے تو اشارہ کافی ہوتا ہے اور قرآن مجید ہے ہی ان عقلمندوں کے لئے جو قرآن کی بات کو حرف آخر سمجھتے ہوئے اپنی عقل کے ذریعہ اس پر ایمان لے آئیں۔ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ قرآن پر ایمان رکھنے والے کے لئے ایک تصریح کافی تھی۔ ورنہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے سامنے خواہ دنیا بھر کے دلائل و براہین پیش کر دیئے جائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے:۔

ولئن اتيت الذين اوتوا الكتاب بكل اية ما تبعوا قبلتك اور اگر اہل کتاب کے پاس تو ہر قسم کی دلیل اور آیت لے آئے تو بھی وہ تیرے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے۔ (۲/۱۴۵)

دوسری جگہ فرمایا: وان يروا كل اية لا يومنوا بها اور اگر وہ ہر ایک علامت اور ثبوت دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے (۶/۲۵)

اب اگر میرے سامنے ایک خالی الذہن مومن بالقرآن ہوتا تو میں صرف انہی دو قرآنی تصریحات پر اکتفا کر لیتا لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا مد مقابل عبارت کو توڑ مروڑ کر تاویلات کرنے کا امام عصر ہے۔ لہذا ہم بھی قرآن مجید سے وہ تمام تصریحات بیان کر دیتے ہیں جن تک ہماری سرسری نظر پہنچ سکی ہے تا کہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والا ہی شرمسار ہو جائے اور طالبین حق کے لئے راہ راست مکمل کر واضح ہو جائے۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ:۵۲،۵۳)

دوسری آیت کریمہ جس کا طاہر سورتی مرحوم نے حوالہ دیا ہے وہ سورۃ انبیاء کی آیت 91 ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیهَا مِن رُّوحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِینَ

ترجمہ: (اور اس پاک عورت کا ذکر کر) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی (یہ حفاظت سفاح سے تھی نکاح سے نہیں) لہٰذا ہم نے اس (مریم) میں (عام قاعدہ کے مطابق اسکی شرمگاہ میں اپنی ایک روح نفخ کی اور اس (مریم) کو اور اسکے بیٹے کو جہان والوں کے لئے ایک نمونہ بنایا)

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی روح، ہر انسان میں، پیٹ میں سرتا پا مکمل ہونے پر پھونکی جاتی ہے (دیکھئے سورہ سجدہ 32 آیت 19)۔

سورہ نور 24 کی آیت 31 میں ارشاد خداوندی ہے: (ترجمہ) (تو مومن عورتوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی بعض نظروں کو پست کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے زینت کے موقعوں کو ظاہر نہ کریں (یعنی اپنے جسموں کو نہ دکھلائیں) مگر جو ان سے ظاہر ہو، اور چاہئے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں اور اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لئے۔ الخ

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد انہیں غیر شوہروں سے بچانا ہے یعنی یہ عورتیں جنہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے شادی شدہ عورتیں ہیں۔ اسی طرح اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کا ایک معنی عورت کا نکاح کرنا بھی ہے، جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ آیت (الانبیاء 21:91) سے ظاہر ہے کہ حضرت مریم نے خود نکاح کرنے کا ایک نمونہ دکھایا، جس کے نتیجہ میں ایسا بیٹا پیدا ہوا جس نے اپنے وجود سے اس نمونہ کی تصدیق کی، یوں نیک نمونہ اور اس کا نتیجہ ملا کر ایک نشان بنا، مریمؑ وعیسیٰؑ دو الٰہ نہ تھے بلکہ دونوں مل کر خدا کا ایک نشان تھے۔

عربی ادب و لغت کے ماہر کا اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کی تطبیق آیات (مریم 19:15، 16) سے کرنا بیک وقت حیرت ناک اور افسوسناک ہے۔ گھر والوں سے الگ ہو کر کسی مشرقی جانب واقع جگہ جا

کران سے پردہ کر لینے یا اوٹ میں آجانے میں شرمگاہ کی حفاظت کرنے کا کونسا پہلو نکلتا ہے؟؟ کیا گھر والوں سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی؟؟

جب حضرت مریمؑ ہیکل میں تھیں تو متولی ان کا دل جیتنے کے لئے کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ان کی شہ نشین (محراب) میں رکھ جاتے۔ حضرت ذکریاؑ نے کئی بار جب یہ کھانے دیکھے تو حضرت مریمؑ سے پوچھا یہ کھانا کہاں سے آتا ہے تو وہ بھولی بھالی بچی کہہ دیتی کہ اللہ تعالی کی طرف سے آتا ہے۔ حضرت ذکریاؑ سمجھ گئے کہ متولی مریمؑ پر بری نظر رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے لئے دعا کی کہ اللہ انہیں بیٹا دے، جو وارث ہو۔ جب حضرت مریمؑ جوان ہوئیں تو یہ متولی قرعہ اندازی کرنے لگے کہ کون مریم کا کفیل یعنی شوہر بنے۔ لیکن وہ قرعہ اندازی کے نتیجہ پر متفق نہ ہو سکے بلکہ جھگڑنے لگے۔ حضرت مریمؑ ان کے شر سے بچنے کی دعائیں کرتی تھیں، جو سنی گئیں اور انہیں ایک بیٹے کی بشارت کے ذریعے ہیکل سے نکل کر نکاح کرنے کا اشارہ دیا گیا، جس پر آپؑ نے عمل کیا۔ اللہ کا فرستادہ ہی وہ شخص تھا جس نے آپ سے نکاح کیا اور نتیجۃً آپؑ کو حمل ہوا۔

طاہر سورتی مرحوم پتہ نہیں کس طرح اپنی مذکورہ بالا تطبیق کی کوشش کو اسالیب قرآن پر گہری نظر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ بالفرض یہ مان لیا جائے کی احصنت فرجھا کی آیات (مریم15:19، 16) سے تطبیق درست ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے شادی شدہ رہیں اور طاہر سورتی مرحوم کس طرح دعوی کر سکتے ہیں کہ اس سے "تصریح ہو رہی ہے کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی وہ اپنی فرج کی خود مالک و محافظ تھیں۔" کیا حضرت مریمؑ تمام عمر روز اول انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً (16) فاتخذت من دونھم حجاباً...(مریم 17:19) کی مصداق بنی رہیں۔ نتیجہ اخذ کرنے میں کچھ تو معقولیت ہونی چاہئیے۔

اس معنی میں لینے کے باوجود اگلی آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا فرستادہ وہاں پہنچا جہاں مریمؑ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر پردہ کئے بیٹھی تھیں اور انہیں نکاح کا پیغام دیا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئیں۔ عورتوں کو حمل مردوں کے ذریعے ہوا کرتا ہے۔

المنجد میں ہے: احصنت المرأة : عفت فھی محصنة ای عفیفة ، تزوجت لان زواجھا قد احصنھا فھی مُحْصَنَة بفتح الصاد أی متزوجة یعنی احصان کی نسبت عورت کی طرف ہو تو اس کے دو معنے ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ عورت کا اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرنا، پاکدامن ہونا چنانچہ اسے مُحصِنَة یعنی عفیفہ کہا جاتا ہے، دوسرا معنی عورت کا شادی شدہ ہونا، کیونکہ شادی کر کے وہ

اپنے شوہر کی حفاظت میں آجاتی ہے اسلئے اسے مُحْصَنَۃ (ص کی زبر سے) یعنی شادی شدہ کہاجاتا ہے۔

مندرجہ بالا دوسرے معنی کی بناپر **والتی احصنت فرجھا** کا معنی ہوگا وہ عورت جس نے خود نکاح کرلیا یعنی کسی ولی وغیرہ کے بغیر یہاں مراد مریمؑ ہیں، جنہوں نے ہیکل کے متولیوں کی اجازت اور مرضی کے بغیر وہاں سے نکل کر اور اپنے گھر جاکر اس شخص سے نکاح کیا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم نے ''لفظ اھل کا ایک اہم پہلو'' کے عنوان کے تحت لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۳) لفظ اھلُ کا ایک اہم پہلو: اب آپ کے سامنے اس موضوع سے متعلق تیسری دلیل پیش کی جاتی ہے۔
قرآن مجید میں اَھْلُ کا لفظ اضافی حیثیت سے متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل بتانا تو ''لغات القرآن'' کے مولف کا حق تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کو اس باب میں بھی پرویز صاحب قرآن مجید سے ''اَھْلُ'' کے مفاہیم کا استیعاب کرتے نظر نہیں آئیں گے، انہوں نے نہایت سرسری طور پر اس موضوع کو ٹال دیا ہے۔ دراصل ان کا دماغ تاویلات میں زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے حقائق قرآن مجید ان سے دور ہی رہتے ہیں۔

عربوں کے استعمال میں لفظ اَھْلُ بھی بڑی تدقیق نظر کا محتاج ہے بالخصوص قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے قابل غور ہے۔

جب ہم اس لفظ کو کسی مرد کی طرف مضاف بنا کر اَھْلُ الرَّجُلِ ''مرد کے اہل'' کہیں تو اس میں سب سے پہلے اس کی بیوی اور پھر اس کے بچے اور پھر اس سے وابستہ متعلقین اور بعد ازاں اس کے دیگر اقرباء (بشرطیکہ قرینہ اجازت دے) کا تصور سامنے آتا ہے۔ اگر وہ مرد قائد، رہنما یا رسول ہے تو اس لفظ میں اتنی وسعت بھی ہے کہ یہ ان کے متبعین اور حامیوں کو بھی اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔ پھر قرآن مجید کی ایک تصریح ($\frac{11}{46}$) کے باعث اس لفظ میں ہم خیال و ہم عقیدہ ہونے کا تصور بھی پیدا ہوگیا ہے۔

لیکن جب اس اَھْلُ کا مضاف الیہ مرد کے بجائے عورت ہو۔ یعنی ہم کہیں ''اَھْلُ الْمَرْاَۃِ'' تو اس میں سب سے پہلے عورت کے ماں باپ، بھائی بہن، اس کے دیگر میکے کے رشتہ دار مراد ہوتے ہیں اور پھر آخر میں اس کے بچے یا اس کا شوہر مراد لئے جاسکتے ہوں تو غور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن مجید سے مجھے اس موخر الذکر معنی کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی، یعنی اگر اَھْلُ الرَّجُلِ کہا جائے تو اس میں مرد کی بیوی سے لے کر اس کے بچے، اقرباء سب ہی آسکتے ہیں لیکن ''اَھْلُ الْمَرْاَۃِ'' کہا جائے تو اس میں عورت کے شوہر کا تصور تقریباً مفقود ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ عورتوں سے ان کے اہل کی اجازت سے نکاح کرو۔ ($\frac{4}{25}$)

ظاہر ہے کہ یہاں عورتوں کے اہل سے مراد ان کے ماں باپ اور دیگر میکے کے رشتہ دار ہی ہیں۔ یا پھر وہ

لوگ جن کی سرپرستی میں غیر شادی شدہ عورتیں رہتی ہوں۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں جہاں یہ لفظ کسی عورت کی طرف مضاف ہے اس سے مراد شوہر کے علاوہ عورت کے میکے کی طرف سے اس کے رشتہ دار ہی بتائے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ یوسف میں جہاں ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ اَهْلِهَا اور اس (عزیز کی بیوی) کے اہل میں سے ایک نے گواہی دی ($\frac{12}{26}$)، تو یہاں بھی مفسرین نے اس سے مراد بیوی ہی کا کوئی رشتہ دار لیا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ مرد سے مضاف ہو تو اس کے معنے بیوی کے علاوہ مرد کے دیگر اقربا ہوں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ یہ لفظ کسی عورت کی طرف مضاف ہو اور اس کے معنے عورت کے شوہر کے ہوں قرآن مجید میں تو ایسا قطعاً نہیں ہے اور یہی اس لفظ کا صحیح قرآنی استعمال ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں جہاں میاں بیوی کے جھگڑے میں فیصلہ کرانے کے لئے کہا گیا ہے وہاں ہے۔

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا تو مرد کے اہل میں سے ایک ثالث اور عورت کے اہل میں سے ایک ثالث بھیجو۔

یہاں قرینہ سے ظاہر ہے کہ مرد کے اہل سے مراد بیوی نہیں بلکہ اس کے رشتہ دار ہوں گے لیکن عورت کے اہل سے مراد اس کے میکے کے رشتہ دار ہی ہونگے اہل کے متعلق اس تفصیل کے مدِنظر رکھتے ہوئے اب ذرا ذیل کی آیات ملاحظہ فرمایئے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۶) فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا .... الخ اور کتاب میں مریمؑ کا ذکر کرو جب وہ اپنے گھر والوں سے دور ہو کر ایک مشرقی جگہ چلی گئی۔ پھر اس نے ان کے درمیان حجاب کر لیا ($\frac{19}{16،17}$)

اہل کی مندرجہ بالا تفصیل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ اپنے گھر والوں یعنی میکے والوں سے دور چلی گئی تھیں۔ اگر وہ اپنے شوہر سے یا شوہر کے رشتہ داروں سے دور ہوتیں تو ''اَهْلِهَا'' کا لفظ استعمال نہ ہوتا۔ اَهْلِهَا کے اس معنی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت حضرت مریمؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی اور اسی حالت میں جب وہ اپنے گھر والوں سے دُور چلی گئیں تو ان کو فرشتے نے بچہ دیا۔ لیکن اگر کسی کو اصرار ہو کہ اَهْلِهَا سے مراد شوہر ہے اور وہ اپنی ازواجی زندگی بسر کر رہی تھیں تو یہ ایسے لوگوں کے لئے مزید دشواری کا باعث بن جائے گا۔ کیونکہ آگے کی عبارت کا یہ مفہوم ہوگا کہ جب حضرت مریمؑ اپنے شوہر سے حجاب اختیار کر لیتی ہیں اس وقت انہیں حمل قرار پاتا ہے، ساتھ ہی اگلی آیتوں میں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ مریم کہتی ہیں کہ مجھے کسی بشر نے چھوا ہی نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے قرآن کا ایک ایک لفظ کس طرح بالتصریح بتا رہا ہے کہ حضرت مریمؑ غیر شادی شدہ تھیں جب کہ انہیں حضرت عیسیٰؑ دیئے جاتے ہیں۔ مگر یہ تصریح دیدۂ بینا ہی دیکھ سکتی ہے۔ اب ہم ایک عظیم ترین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۵۷۔۵۹)

پہلے تو طاہر سورتی مرحوم نے شکایت کی ہے کہ پرویز مرحوم نے لغات القرآن میں اھـل کے مفاہیم کا استیعاب نہیں کیا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے سورہ مریم کی آیات 16، 17 میں اھلھا کا کیا معنی لیا ہے۔ مریم کے گھر (میکے) والے یا شوہر کے رشتہ دار، پھر استادی دکھائی ہے اور اسکے دونوں معنے لیکر غلط

طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ (1) جب وہ (مریمؑ) اپنے گھر والوں سے دور چلی گئیں تو ان کو فرشتہ نے بچہ دیا (2) جب حضرت مریمؑ اپنے شوہر سے حجاب اختیار کر لیتی ہیں تو اس وقت انہیں حمل قرار پاتا ہے۔"

بندہ خدا ان دو آیات میں کہیں بھی نہ تو (1) فرشتہ کے بچہ دینے کا ذکر ہے اور نہ ہی (2) شوہر سے حجاب اختیار کرنے پر حمل قرار پانے کا کوئی ادنیٰ اشارہ موجود ہے۔ مگر قرآن مجید کے اسالیب پر گہری نظر والے کو پتہ نہیں کس عبارت سے یہ مفہوم اخذ کرنے کا ذہول ہوا۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا کا معنی جب وہ اپنے گھر والوں سے دور ہو کر ایک مشرقی جگہ چلی گئی نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ جب مریمؑ اپنے گھر والوں سے گھر کے اندر ایسی جگہ الگ ہوئی جہاں دھوپ میں بیٹھ سکے۔ اور فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا کا ترجمہ طاہر سورتی مرحوم نے صفحہ 30 پر جہاں سورہ مریم کی آیات تسلسل سے پیش کی گئی ہیں یوں کیا ہے:

"پھر اس نے اپنے گھر والوں کے اس مقام تک پہنچنے کی راہ میں پردہ حائل کر لیا۔"

یہاں بھی نہ تو فرشتہ کے بچہ دینے کا کوئی ذکر ہے اور نہ شوہر سے حجاب اختیار کرنے پر ان کو حمل قرار پانے کی کوئی بات کی گئی ہے اس آیت کے اگلے ٹکڑے میں جہاں ارشاد ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا میں بھی بچہ دینے یا حمل قرار پانے کا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ پھر یہ تصریح دیدۂ بینا کس طرح دیکھ سکی؟ اور یہ معلوم کر سکی کہ "حضرت مریم غیر شادی شدہ تھیں جب کہ انہیں حضرت عیسیٰؑ دئے جاتے ہیں۔" کیونکہ اس ٹکڑے میں بھی حضرت عیسیٰؑ کے دئے جانے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں صرف اتنا کہا گیا ہے، "تب ہم نے اس (مریمؑ) کی طرف اپنی ایک نیک روح کو بھیجا چنانچہ وہ اس کے روبرو ہوا۔ وہ نیک روح ایک تندرست انسان تھا۔" یہ اس ٹکڑے کا سادہ ترجمہ ہے۔ اس آیت کی مفصل تشریح اپنے مقام پر کی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم چوتھا عنوان باندھتے ہیں۔ ذیل میں اس عنوان کا کامل اقتباس ملاحظہ ہو:

(۴) اولاد کو منسوب کرنے کا قاعدہ۔ قرآن مجید اور عربوں کا دستور ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکی کو (شادی سے قبل تک) اور لڑکے کو مطلقاً باپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ابھی آپ پچھلے صفحات میں دیکھ آئے ہیں کہ حضرت مریمؑ کو قرآن مجید نے مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ (۶۶/۱۲) کہا ہے یہاں عورت کی باپ سے نسبت ایک طرف تو یہ بتا رہی ہے کہ مریم کنواری رہیں اور دوسری طرف یہ بھی بتا رہی ہے کہ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرتا ہے یہ عربوں کا مالوف

طریقہ ہے وہ اپنی لڑکی کے بیٹے کو لڑکی کا بیٹا یا لڑکی کی اولاد تسلیم ہی نہیں کرتے ان کا شاعر کہتا ہے۔

بَنُونَا بَنُو اَبْنَاءِ نَا اَبْنَاؤُنَا   بَنُوهُنَّ اَبْنَاءُ الرِّجَالِ الْاَبَاعِدِ

ترجمہ:۔ ہمارے بیٹے اور ہمارے بیٹوں کے بیٹے (پوتے) تو ہمارے بیٹے ہیں، لیکن ہماری بیٹیوں کی اولاد تو دور کے مردوں کی اولاد ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے عربوں کے دستور کو چھوڑ کر، خود قرآن مجید اپنے اختیار کردہ دستور سے انحراف کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کو عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اور الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ کیوں کہہ رہا ہے؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے پہلے ہم جناب پرویز کی بصیرت قرآنی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ معلوم ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق قرآن سے کم اور اپنے مغربی اولیاء سے زیادہ مدد لیں گے۔

ان کی بصیرت قرآنی پہلے ہی کہہ چکی ہے کہ قرآن مجید نے اس باب میں کچھ نہیں کہا ہے۔ بہر حال ملاحظہ فرمایئے۔ کہ کس دیدہ دلیری سے وہ بغیر اس کے کہ قرآن مجید میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ تک پہنچتے۔ فوراً ہی اپنے ولی خصوصی، عقلیت پرستوں کے امام، جناب رینان کو مدد کے لئے بلاتے ہیں اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ پھر ملاحظہ فرمایئے العروۃ الوثقیٰ اور حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دینے والا کس طرح مکڑی کے جالے میں پناہ گیر ہوتا ہے۔

ذرا آپ بھی اس نسیج عنکبوت یعنی رینان کے بیان کو ملاحظہ فرمایئے اور داد دیجئے اس قرآن پر ایمان لانے کے مدعی کو جو بجائے قرآن کے رینان کی بوگس اور شک سے بھری ہوئی عبارت یوں نقل کرتا ہے۔

> آپ (حضرت عیسیٰ) عوام سے متعلق تھے، آپ کے والد یوسف اور آپ کی والدہ مریم دونوں غریب گھرانے کے افراد تھے۔ دستکاری ان کا پیشہ تھا۔ حضرت مسیح کے اور بہن بھائی بھی تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے سب سے بڑے آپ ہی تھے..... مادری زبان آپ کی آرامی تھی، یونانی زبان سے آپ واقف نہ تھے۔.. آپ کے والد کا انتقال جلد ہی ہو گیا۔ اور اس کے بعد حضرت مریم ہی خاندان کی سرپرست رہ گئیں۔ یہ وجہ ہے کہ حضرت مسیح عام طور پر ابن مریم کے نام سے مشہور ہوئے یعنی جب آپ کو آپ کے ہم نام بچوں سے ممیز کرنا ہوتا تھا تو "یسوع ابن مریم" کہا جاتا تھا.....الخ
>
> (شعلہ مستور صفحہ 30 نیز لغات القرآن ج4 صفحہ 1537)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس بیان میں "ایسا معلوم ہوتا ہے" کا فقرہ جو قرآن کے یقین کے سامنے شک سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی قرآنی تصریحات علی وجہ الیقین بتا رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ حضرت مریم کے سب سے بڑے اور پہلے بیٹے تھے پھر ذرا غور فرمایئے لڑکے کو باپ کے بجائے ماں کی طرف منسوب ہونے کے متعلق رینان کس قدر بوگس اور لچر تاویل کر رہا ہے جس کو نہ قانون کی تائید حاصل ہے نہ قرآن مجید کی، نہ عرب اور اقوام سامیہ کے مالوف قاعدہ کی اور نہ عقل ہی کی۔

قارئین حضرات! رینان کی اس عبارت سے شاید آپ خیال کر رہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ کا یہ مصنوعی

باپ بچہ کو ماں کے پیٹ میں چھوڑ کر مر چکا ہوگا اور نہ زیادہ سے زیادہ بچہ کے ایک ڈیڑھ سال کی عمر ہونے تک مر چکا ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس ''چھوٹی عمر'' کے معنی پرویز صاحب اور رینان کے نزدیک تقریباً جوانی کی عمر ہے اس لئے کہ خود پرویز صاحب اپنی کتاب شعلہ مستور کے صفحہ 22 پر انجیل برنباس کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

''جب یسوع عمر کے بارھویں سال تک پہنچا۔ وہ مریم اور یوسف کے ہمراہ یروشلم میں آیا تھا کہ وہاں خدا کی موسیٰ کی کتاب میں لکھی ہوئی شریعت کے موافق سجدہ کرے''۔ (فصل صفحہ 9)

گویا اس واقعہ کے بعد اگر دو سال ہی اور ان کے باپ کو زندہ رکھا جائے تو وہ اپنے بیٹے کو نوجوان چھوڑ کر مرتے ہیں۔ غور فرمائیے کیا اسے چھوٹی عمر کہا جائے گا۔ کس قدر لغو دلیل ہے۔ جو پیش کی جارہی ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا. (ابن مریم اور پرویز صفحہ:۵۹ تا ۶۲)

اولاد کو منسوب کرنے کے متعلق طاہر سورتی مرحوم نے جو تصریحات رقم فرمائی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مالوف عرب دستور اور قرآن کے مطابق اولاد باپ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کے باپ ضرور ہوتے ہیں اگر کچھ بچے بغیر باپ کے ہوتے ہوں یا ہو سکتے ہوں تو یہ دستور اور عام قاعدہ غلط ٹھہرے گا۔ جہاں تک آیت (التحریم 12:66) کا تعلق ہے، تو اس کا ترجمہ اور مفہوم، طاہر سورتی مرحوم کے باندھے گئے عنوان بایں ہمہ محرف اناجیل پر اعتماد کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں، کے تحت انکے دلائل کے رد میں دیا جا چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جہانتک طاہر سورتی مرحوم کے ایک عرب شاعر کے نقل کردہ قول کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ بیٹے اور پوتے تو ہم مردوں کی اولاد ہوتے ہیں اور ہماری بیٹیوں کی اولاد ہمارے دامادوں کی اولاد ہوتی ہے۔ بالکل صحیح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے ہوں یا پوتے، نواسے ہوں یا نواسیاں ان سب کے باپ ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن طاہر سورتی مرحوم حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا شدہ منوانے پر تلے ہوئے ہیں، اور اس دستور اور قاعدہ کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

جہانتک اولاد کے باپوں کی طرف منسوب ہونے کا تعلق ہے تو یہ عام دستور ہے اور جہاں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سب بچوں کے باپ ضرور ہوتے ہیں، وہاں یہ بھی مراد ہے کہ انکی مائیں بھی ضرور ہوتی ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی (الحجرات 13:49) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (ترجمہ تھانوی ؒ)۔ طاہر سورتی اس آیت کو پیش نظر کیوں نہیں رکھتے؟ اور اس آیت کریمہ کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں، جسمیں ارشاد ربانی ہے:

وبدأ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين (السجدہ 8:32)

اورانسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔ پھر اسکی نسل کوخلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا (ترجمہ تھانویؒ)۔ اگر طاہر سورتی مرحوم ان آیات اور انسانی تخلیق کے متعلق دوسری آیات کو سامنے رکھتے تو وہ راستہ سے بھٹکنے سے بچ جاتے اور آیات کا غلط مفہوم نہ لیتے۔ پرویز صاحب پر ان کے بیان سے استدلال پر طاہر سورتی کی برہمی بجا ہوتی اگر انہوں نے خود بھی قرآن مجید کی اس موضوع کے متعلق تمام آیات پر غور کیا ہوتا۔

قرآن مجید کی سورہ مریم کی آیت 27، 30، تا 35 پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو کتاب دیئے جانے اور نبی بنائے جانے کے بعد، جب حضرت مریمؑ انہیں اپنی قوم کے پاس لائیں، تو حضرت عیسیٰؑ کے والد ساتھ نہ تھے یعنی حضرت عیسیٰؑ پختہ مرد تھے اور والد فوت ہو چکے تھے ورنہ وہ بھی ساتھ ہوتے۔ مگر طاہر سورتی تو عیسیٰؑ کو اس وقت گود کا بچہ قرار دیتے ہیں، کیا گود کا بچہ نبی ہوتا ہے؟ جیسا کہ انکے آیت مریم19: 27،30 کے ترجمہ سے واضح ہے۔

جہانتک قرآن مجید کا حضرت عیسیٰؑ کو عیسیٰ بن مریمؑ کہنے کا تعلق ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اسی کنیت سے معروف ومشہور تھے۔ عیون زمزم فی میلاد عیسی ابن مریم کے مصنف حافظ عنایت اللہ اثریؒ وزیر آبادی نے اپنی کتاب کے صفحہ 146، 147 پر یہ تصریح فرمائی ہے کہ بڑے بیٹے کے نام پر کنیت ہوا کرتی ہے، چھوٹے کے نام پر نہیں، اسی طرح پر احد الطرفین میں جو اشرف ہوتا ہے اس کے نام پر کنیت ہوتی ہے دوسرے کے نام پر نہیں اور یہ کہ لیس الذکر کالانثیٰ مریمؑ کی بابت وارد ہوا ہے، جب کہ اسکی ماں کے یہاں لڑکا پیدا ہو کر بھی اس کے برابر نہیں تو یوسف اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے، اس کے بعد 23 پاکبازوں کا جدول درج کیا ہے جو ماں کے نام پر کنیت سے مشہور ہوئے مگر وہ بے پدر پیدا نہیں ہوئے تھے یہ جدول ترمذی، نودی، ابوداؤد، بخاری، فتح الباری، مسلم، العبر امام ذہبی شرح نخبۃ حافظ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی سے جلد اور صفحہ کے حوالوں کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے اور اصل نام اور باپ کا نام بھی دیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر محمد جن کے والد کا نام علیؓ ہے ابن الحنفیۃ کی کنیت سے مشہور تھے۔ اور لکھا ہے الحنفیۃ کانت زوج علیؓ بن ابی طالب تزوجھا بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا فولدت لہ محمدًا فاشتھر بالنسبۃ الیھا۔ حنفیہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی بیوی تھیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے فاطمہؓ

کے بعد شادی کی تھی، ان کے بطن سے حضرت علیؓ کا بیٹا محمد پیدا ہوا اور اپنی والدہ کی طرف نسبت سے مشہور ہوا (فتح الباری صفحہ 185 پارہ 2) اور فتح الباری صفحہ 201 پارہ نمبر 2 کے حوالہ سے منصور جن کے والد کا نام عبدالرحمان تھا یہ عبارت نقل کی ہے **منصور ابن صفیه منسوب الی امه لشهرتها** : منصور اپنی والدہ صفیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ مشہور تھی۔

امامہ جن کے والد کا نام ابوالعاص تھا، اور کنیت بنت زینب تھی کے بارے میں لکھا ہے **فنسبت الی امها تنبیها علی ان الولد ینسب الی اشرف ابویه دینا و نسبًا** امامہ اپنی والدہ کی طرف اس لئے منسوب ہے کہ وہ دین اور نسبت دونوں میں اشرف ہے اسلئے نہیں کہ وہ بے پدر پیدا ہوئی تھی۔

ان چند مثالوں سے ثابت ہے کہ عربوں میں لوگ کنیت سے بھی مشہور تھے۔ اور اس دستور کا بھی انکار ممکن نہیں، لہٰذا حضرت عیسیٰ بھی اسی دستور کے مطابق اپنی والدہ کی طرف نسبت کی وجہ سے مشہور تھے، اور اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم "عورت کھیتی ہے" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

عورت کھیتی ہے: پرویز صاحب کو خوب معلوم ہے کہ قرآن مجید عورت کو کھیتی اور زمین سے تشبیہ دیتا ہے۔ پھر بھی انہوں نے دیکھا کہ آم کے بیج سے پیدا ہونے والے درخت کو بجائے آم کے زمین کی طرف منسوب کرکے زمین کا پیڑ کہا گیا ہو؟ اور اس کے لئے دلیل یہ دی جائے کہ چونکہ بیج جو ایک حقیر اور چھوٹی سی چیز ہے اسے اوّل سے آخر تک زمین نے پالا پوسا اور پھر ایک بڑا درخت بنایا لہٰذا اسے زمین کی طرف منسوب کرکے زمین کا درخت کہا جائے گا آم کا درخت نہیں کہا جائے گا۔ یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے جو قرآن مجید کے دیئے ہوئے اصول کے مقابلہ میں پرویز صاحب اختیار کر رہے ہیں۔ اب فیصلہ کیجئے کہ یوسف کے بیج کو کیونکر مریمؑ کی طرف منسوب کیا جائے گا؟؟ البتہ اگر کوئی خودرو پودا بغیر بیج کے زمین کے زور سے ظہور پذیر ہو جائے اور ہم اسے زمین کا پودا یا پیڑ کہہ دیں تو حق بجانب ہوں گے۔

لیکن ہم اپنی ہر لحہ بدلنے والی عقل کے گھوڑے کیوں دوڑاتے رہیں، آیئے ذرا قرآن مجید سے پوچھیں کہ وہ اولاد کو منسوب کرنے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر فرماتا ہے یا نہیں۔ لیکن قرآن مجید ہی سے پوچھئے گا پرویز صاحب سے نہیں، ورنہ وہ نہایت اطمینان سے اپنی بصیرت قرآنی کا نگ جماتے ہوئے فرمائیں گے کہ قرآن مجید اس بارے میں کہ اولاد کو باپ کی طرف منسوب کیا جائے یا ماں کی طرف، بالتصریح کوئی بات نہیں کہتا اس لئے کہ ان کی نظر میں بالتصریح یا تو وہ بات کرتے ہیں یا ان کے اولیاء، قرآن مجید تو (معاذ اللہ) ابہامات کا پلندا ہے۔

لیکن ذرا سا صبر کیجئے اس مسئلہ میں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھ لیں کہ کیا واقعی

یہ کوئی قاعدہ ہے کہ اگر بچہ کا باپ چھوٹی عمر میں اسے چھوڑ کر مر جائے تو اسکی پرورش اور کفالت کرنے کی وجہ سے اس کی نسبت ماں کی طرف کر دی جاتی ہے؟ ہم دُور نہیں جاتے اس بارے میں ہمارے لئے خود آنحضرت محمدؐ کی مثال ہے۔ آپؐ کے والد کا انتقال (صحیح روایات کے مطابق) اس وقت ہو چکا تھا جب کہ آپؐ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے (یا بعض روایات کے مطابق آپ گود میں تھے اور اس سلسلہ میں 2 ماہ سے لے کر 28 ماہ تک مذکور ہیں) لیکن کسی نے آپ کو مُحَمَّدُ بن اٰمِنَۃَ نہیں کہا، آپ ہمیشہ اپنے والد عبداللہ کی طرف منسوب کئے گئے یعنی آپ کو مُحَمَّدُ ابنُ عَبْدُ اللہِ ہی کہا گیا۔ (صفحہ ۶۲،۶۳)

طاہر سورتی مرحوم کو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ الذاریات میں فرمایا ہے و من کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الذٰریٰت 49:51) اور ہم نے ہر ایک شئے کے جوڑے بنائے تا کہ تم عبرت حاصل کرو۔" نباتات وحیوانات میں نر و مادہ کا ہونا بالکل واضح ہے۔ مگر انسانوں کے علاوہ ان میں ماں باپ کی طرف نسبت کا کوئی دستور نہیں۔ آم کا درخت کہنے سے اسکے باپ یا ماں کی شناخت کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یہ غیر متعلقہ مثال ہے۔

رہا طاہر سورتی مرحوم کا یہ کہنا کہ "یوسف کے بیچ کو مریمؑ کی طرف کیونکر منسوب کیا جائے تو یہ مضحکہ خیز ہے۔ کیا کسی عورت کا اپنے بیٹے کو میرا بیٹا کہنا غیر شرعی ہے اور اسے توبہ کر کے آئندہ اسے میرے شوہر کے بیٹے کہنا چاہیئے؟؟۔ رسول اللہ محمد بن عبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس طرح اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے کہ حضرت آمنہ انکی والدہ نہیں تھیں اسی طرح حضرت عیسیٰ بن مریم کہنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انکا کوئی والد نہیں تھا قطعاً غلط ہے۔ انکے والد کا انجیل میں ذکر موجود ہے۔ اور وہ یوسفؑ تھے۔

عیون زمزم فی میلاد عیسی بن مریم کے صفحہ 151 پر ہے۔

"عینی شرح صحیح بخاری میں ہے ولم یشتھر نبی بامه الا یونس والمسیح علیھما الصلوۃ والسلام:
یونس اور عیسیٰ علیھما الصلوۃ والسلام کے سوا اور کوئی نبی اپنی والدہ کی طرف منسوب ہو کر مشہور نہیں ہوا۔"

شہرت میں احد الطرفین کی طرف نسبت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ کوئی شخص بے پدر ہے یا ماں کے بغیر پیدا ہوا تھا۔ آیئے اب مندرجہ ذیل عنوان کے تحت طاہر سورتی کی تصریحات سے مطلع ہوں:

اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرنے کے لئے قرآن مجید کا فیصلہ۔ اب ہم آپ کو قرآن مجید سے بالتصریح حکم بتائیں گے کہ "اولاد کو ان کے باپوں سے منسوب کرو" ظاہر ہے کہ اس حکم کی موجودگی میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ باپ کے ہوتے ہوئے کسی بچہ کو ماں کی طرف منسوب کرے چہ جائیکہ خود قرآن مجید ہی اپنے حکم کی مخالفت کر دے۔ ملاحظہ فرمایئے

سورۂ احزاب میں وہ اصول بتا رہا ہے کہ کوئی بیوی شوہر کے یہ کہہ دینے سے کہ وہ میری ماں کی طرح مجھ پہ حرام ہے، ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح کسی دوسرے کا لڑکا جسے آپ گود لے لیں یا اس کی ابتدا سے پرورش کریں محض اس بناء پر کہ آپ اسے اپنی طرف منسوب کرلیں آپ کا بیٹا نہیں ہوگا۔ یہ زبانی جمع خرچ ہے۔اللہ اس قسم کے دعادی اور اس قسم کی نسبتیں باطل ٹھہراتے ہوئے آگے حکم دیتا ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَاللهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ (33)

اولادکوان کے باپوں کی طرف منسوب کرو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ رویّہ ہے،
لیکن اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر تمہارے دینی بھائی ہونگے اور ولاء کی جہت
سے منسوب ہوں گے۔

کہا یہ جا رہا ہے کہ اولاد کوان کے آباء سے منسوب کرو لیکن بعض ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو غلام بن کر آجاتے ہیں اور ان کے آباء کا علم ہی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں تم انہیں اپنا دینی بھائی پکارو، یا پھر غلام کو اپنے آقا کی طرف منسوب کرو۔ یعنی تعارف کے لئے کہہ سکتے ہو کہ فلاں جوفلاں کا غلام یا آزاد کردہ غلام تھا۔

دیکھا آپ نے اولاد کو باپ کی طرف منسوب کرنے کا بالتصریح حکم قرآنی، اس کی موجودگی میں اگر باپ کا علم نہ ہو تب ہی اولاد کو دوسری نسبتوں سے متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ اب بتایئے کہ اس قرآنی فیصلہ کی موجودگی میں اگر اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ فلاں شخص حضرت عیسیٰؑ کا باپ ہے تو وہ انہیں حضرت مریمؑ کی طرف کیوں منسوب کرتا، یا تو باپ کا نام ہی چھوڑ دیتا۔ جس طرح دیگر انبیاء کے سلسلہ میں اس کا طریقہ ہے۔ یا پھر انہیں باپ کی طرف منسوب کرتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ اصول کو بلا وجہ خود ہی توڑ دے؟

پرویز صاحب! قرآن مجید کا ہر ہر لفظ متقاضی ہے کہ اس پر ٹھہر ٹھہر کر خالی الذہن ہو کر غور کیا جائے۔ یہ آیات متوالیہ ہیں جو بالتصریح حقائق منکشف کر رہی ہیں؟ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ وَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ؟؟ قرآن پر ہمارے ایمان کا حال یہ ہے کہ اگر ہماری عقل عیار ایک بے اصل قسم کا اعتراض کر دیتی ہے تو ہم فوراً اس کی صاف وصریح آیات کی تاویل میں لگ جاتے ہیں اور بے دین محققین یا تحریف شدہ اناجیل کی اتباع کرنے لگ جاتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نو امیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

پرویز صاحب ہر موقع پر آج کے تعلیمیافتہ ذہن کو مذبذب رکھنے کے لئے علمی سطح کے بلند ہونے کا انتظار فرماتے ہیں۔حالانکہ قرآن مجید خود علم ہے، ماضی کے متعلق جس بات کا اس نے ذکر کر دیا وہ آخری علم اور اٹل فیصلہ ہے اور اگر قرآن مجید کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے بھی ہم "انداداًمن دون اللہ" کا اتباع کریں یا علمی سطح کے بلند ہونے کا ڈھونگ رچائیں تو یاد رکھیئے کہ ہمارا ایمان قرآن پر قطعاً نہیں ہوگا۔قرآن مجید میں بالتصریح مذکور ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ( ) اور اگر آپؐ اس علم کے بعد جو آپؐ کے پاس آگیا ہے، ان کی من مانی خواہشات کی پیروی کریں گے تو ایسی صورت میں آپ بالضرور ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔

گویا قرآن مجید کی صاف اور واضح آیات کے بعد علمی سطح کے بلند ہونے کا انتظار کرنا ظلم ہے، یعنی شرک! اس لئے کہ آپ نے اللہ کے مقابلہ میں کسی غیر اللہ کے پاس بھی علم ہونے کا یقین رکھا، حالانکہ قرآن مجید صاف کہہ رہا ہے:۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللهِ آپ کہہ دیجئے کہ "علم" تو صرف اللہ کے پاس ہے

دوسری جگہ وہ کہتا ہے:۔ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً اے انسانو! تمہیں جو کچھ علم میں سے دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے ( )

جو لوگ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وہ جدید علمی واثری انکشافات کو اسی وقت صحیح مانتے ہیں جب وہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق ہوں، وہ کبھی قرآن مجید پر ایمان کی راہ میں علمی سطح کے بلند ہونے کا حجاب حائل نہیں کرتے نہ وہ جدید تحقیقات کے نتائج کے انتظار تک ایمان ملتوی کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ صحیح ایمان کی تعریف حضرت علیؓ کے اس قول میں ہے۔ "اگر قیامت آ جائے ہر دے اٹھا کر اکھٹے کر دیئے جائیں، جنت وجہنم اعمال ومیزان سامنے آ جائیں تو بھی میرے ایمان میں رائی برابر اضافہ نہیں ہوگا۔" اس لئے کہ ان چیزوں کا انہیں یقین کامل تھا۔

پھر غور کیجئے اناجیل کا بیان قرآن مجید کے مقابلہ میں کس قدر غیر واضح، غیر یقینی اور مشکوک ہے۔ ان میں کہیں حضرت عیسیٰؑ کو یوسف کا بیٹا کہہ دیا جاتا ہے کہیں مریمؑ کا ایسا بیٹا جو منگنی کے بعد پیدا ہوا اور ابھی یوسف نے مریمؑ سے اختلاط بھی نہیں کیا تھا۔ کہیں انہیں ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا جاتا ہے اور خود پرویز صاحب کے الفاظ میں یہ اناجیل آپ (عیسیٰؑ) کی حیات کو عجیب وغریب افسانوں کا مجموعہ بنا کر پیش کرتی ہیں۔

لیکن بایں ہمہ پرویز صاحب اگر بطیب خاطر اطاعت کرتے ہیں تو اناجیل و ریتان کی اور توڑ مروڑ کرتا ویلات کرتے ہیں تو تصریحات قرآن کی۔ البتہ ان کی دلاوری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہا جا رہا ہے کہ قرآن مجید کو خالی الذہن ہو کر سمجھنے کی کوشش کیجئے اور یہ کہ تدبر قرآن کا یہ بہت غلط طریقہ ہے کہ پہلے اپنے ذہن میں کوئی عقیدہ قائم کر لیا جائے۔ اور پھر اس کے تائیدی شواہد تلاش کرنے کے لئے قرآن کریم کی ورق گردانی کی جائے (صفحہ ۶۳۔۶۷)

طاہر سورتی مرحوم کی آیت (الاحزاب 5:33) کے متعلق تصریحات کا جواب اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں دیا جا چکا ہے۔ بہر حال اس آیت سے واضح ہے کہ کوئی متبنیٰ بغیر باپ کے نہیں ہوتا، خواہ ہم اس کے باپ کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اگر متبنیٰ کے ایک انسان ہونے کی جہت سے، اس آیت کا اطلاق ہر انسان پر کیا جائے تو بھی ثابت ہوگا کہ ہر انسان پہلی پیدائش کے بعد، کسی نہ کسی کی اولاد ضرور ہوتا ہے، اور کسی نہ کسی سے مراد ماں اور باپ دونوں ہیں، کیونکہ آیت کریمہ (الحجرات 13:49) یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے)، اس حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ لہٰذا آباء میں باپ اور مائیں دونوں شامل ہیں۔ جو شخص اپنی والدہ کی شہرت یا کسی اور وجہ سے اپنی ماں کی کنیت سے پہچانا جاتا ہو تو اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس کا کوئی والد نہیں،

وہ بے پدر پیدا ہوا تھا، ایک سقیم استدلال ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا، ایک انسان ہونے کے ناطے سے، باپ تھا، جس کا نام اناجیل میں یوسف نجار ملتا ہے۔ مگر وہ اپنی والدہ مریم کی کنیت سے مشہور تھے۔ تاریخ میں بہت سے لوگ ملتے ہیں جو اپنی ماؤں کی طرف منسوب تھے اور اس بات کا انکار ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں خود قرآن کی آیات (الانعام 6:85 تا 88) سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کے والد تھے، بلکہ اولاد اور بھائی بھی تھے، اور جب اولاد تھی تو یقیناً بیوی بھی تھی۔ لیکن طاہر سورتی مرحوم کو وضعی روایات کا شکار ہونے کی وجہ سے یہ سب کچھ دکھائی نہیں دیا۔

رہ گیا پرویز مرحوم کی طرف سے اناجیل اور ریتان سے استدلال پر ناک بھوں چڑھانا، تو بالکل بے جا ہے۔ اگر حق بات کی تائید اناجیل کی آیات یا کسی مسیحی عالم کے بیان سے ہوتی ہو، تو ان کا کوئی اقتباس پیش کرنا غلط نہیں۔ سورہ یونس میں ہے۔ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس 10:94) جس کا ترجمہ مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے یوں کیا ہے: پھر اگر بالفرض آپ اس (کتاب) کی طرف سے شک (وشبہ) میں ہوں، جس کو ہم نے آپ کو بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے، جو آپ سے پہلے (کی) کتابوں کو پڑھتے ہیں (مراد تورات و انجیل ہیں تو وہ قرآن کو سچ بتلائیں گے) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تورات و انجیل اور تورات و انجیل پڑھنے والوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اگر اناجیل کا بیان غیر واضح، غیر یقینی اور مشکوک ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے، تو کیا یہی حالت احادیث کی نہیں، جن میں طاہر سورتی کے مطابق نبی کریمؐ کے والد کا انتقال صحیح روایات کے مطابق اس وقت ہو چکا تھا جبکہ آپؐ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے (یا بعض روایات کے مطابق آپؐ گود میں تھے اور اس سلسلہ میں 2 ماہ سے لیکر 28 ماہ تک مذکور ہیں) جیسی متضاد روایات کیوں کر قابل استدلال واستناد ہو سکتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو ذیلی عنوان "عورت کھیتی ہے" کے تحت طاہر سورتی مرحوم کی تصریحات)

اب طاہر سورتی مرحوم کی پانچویں دلیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۵) بَرًّا بِوَالِدَيْهِ اور بَرًّا بِوَالِدَتِيْ کا فرق۔ قرآن مجید جن مقامات پر حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ کے ساتھ حضرت زکریاؑ کا واقعہ بیان کرتا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہ آپ اس پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جائیں۔ دراصل حضرت زکریاؑ کا قصہ عجیب ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا اَعْجَبْ اور یہ قاعدہ ہے کہ ایک بلندتر مقام تک پہنچنے کے لئے اس سے کمتر بلندی تک پہنچایا جائے، علاوہ ازیں آپ اگر خود بھی تسلسل کے ساتھ سورہ مریمؑ میں حضرت زکریاؑ اور حضرت عیسیٰؑ

کے واقعات پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو اس بارے میں بڑی تصریحات مل جائیں گی کہ حضرت عیسیٰ کے صرف ماں تھیں اور حضرت یحییٰ کے باپ بھی تھے اور ماں بھی! چنانچہ سورہ مریم کی چودھویں آیت میں حضرت یحییٰ کے لئے کہا گیا ہے وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (۱۹/۱۴) یعنی وہ اپنے ماں باپ کے لئے وسیع پیمانہ پر خیر و برکت کا موجب اور ان دونوں کے لئے آخری امکانی حدود تک حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے والا ہوگا۔ لیکن اسی سورہ مریم کی بتیسویں آیت میں حضرت عیسیٰ کہہ رہے ہیں: وَ بَرًّا بِوَالِدَتِي یعنی میں اپنی ماں کے لئے وسیع پیمانہ پر خیر و برکت کا موجب اور اس (ماں) کے لئے آخری امکانی حدود تک حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے والا ہوں۔ (۱۹/۳۲)

پرویز صاحب نے قرآن کی لغت تیار کی ہے۔ وہ "بر" کے مادہ کی وسعت، فراخی، کشادگی سے خوب واقف ہیں، پھر وہ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق تسلسل حیات کے بھی قائل ہیں۔ شاید انہیں نہیں معلوم کہ ایک بچہ ماں کے پیٹ میں پہنچتے ہی ماں باپ کے لئے مسرت و شادمانی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور پیدا ہونے پر تو اس کی خیر و برکت مختلف شکلوں میں ماں باپ کے لئے باعثِ شادابی روح بنتی ہیں۔ قرآن مجید نے ماں باپ کی قلبی مسرت کے لئے "قُرَّةَ اَعْيُنٍ" کا استعارہ بھی استعمال کیا ہے یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک دیکھئے (۲۵/۷۴) یاد رکھئے کہ ہر بچہ بیک وقت ماں اور باپ دونوں کے لئے قُرَّةَ اَعْيُنٍ ہوتا ہے بشرطیکہ دونوں اسے دیکھ رہے ہوں۔ فرعون کی بیوی نے جب موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں پایا تھا تو کہا تھا "قُرَّةُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ اسے قتل نہ کرو۔ یہ میری اور تیری (فرعون کی) آنکھ ٹھنڈی کرے گا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کو اللہ صرف ماں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بتا رہا ہے وَقَرِّي عَيْنًا (۱۹/۲۶) معلوم ہوا کہ ان کے باپ تھے ہی نہیں۔ اور اگر بقول آپ کے تھے تو پھر یہ روایت غلط ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے ساتھ بھی رہے۔ اب آپ کی مرضی ہے قرآن کو مانیں یا اناجیل اور رینان کو۔ بِرّ کے ان معانی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) کس قدر نالائق بچے تھے کہ چودہ برس تک اپنی ماں کے لئے تو وجہ خیر و برکت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے رہے اور باپ کو سرے سے نظر انداز کر گئے۔ حالانکہ اس سے پہلی آیت میں حضرت عیسیٰ کہہ رہے ہیں۔

وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (۱۹/۳۱) خدا نے مجھے جہاں کہیں میرا وجود ہوگا کثرت خیر و برکت والا بنایا ہے۔

تعجب ہے کہ ہر جگہ تک کے لئے وہ باعثِ خیر و برکت ہیں بس اگر کسی کے لئے نہیں ہیں تو اپنے باپ کے لئے نہیں ہیں؟؟ کیا حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون سے بھی بے بہرہ تھے کہ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۲/۸۳) ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو اور وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (۳۱/۱۵) "کافر اور مشرک ماں باپ ہوں تو بھی دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ معروف طریقہ سے گذر بسر کرو"۔

لیکن اگر آپ بَرّ کے معنے صرف خدمت گذار، اطاعت شعار اور صلہ رحمی کرنیوالا ہی رکھیں تو اس لحاظ سے بھی بارہ چودہ برس تک اندازہ ہو جاتا ہے کہ بچہ ماں باپ کے لئے کوفت اور زحمت بنا رہا یا خدمت گذاری اور اطاعت شعاری سے ان کے دل کا نور اور آنکھوں کا سرور بنا رہا۔

اور اگر آپ تسلسل حیات کے لحاظ سے دیکھیں تو مرنے کے بعد بھی بیٹا باپ کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا

کرے، اس کی قبر پر جائے۔ اسکے انعامات واحسانات کو یاد کرتا رہے، اگر چھوٹے بھائی، بہن وغیرہ ہوں تو ان کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ یہ سب امور بِرّ کے تحت آجاتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے باپ کے لئے بِرّ نہ ہوئے اور صرف اپنی ماں کے لئے ہی بِرّ رہے۔ اب اس سے زیادہ اور کونسی واضح تصریح آپ قرآن سے چاہتے ہیں۔ اتنی واضح اور کھلی باتوں کی موجودگی میں آپ کو ابہام وغموض نظر آرہا ہے۔ حالانکہ آپ اشارہ وکنایہ اور تعریض واستعارہ میں بات تاڑ جاتے ہیں بلکہ شاید آپ اس شاعر کے ہمنوا بھی ہوں گے جو کہتا ہے: ؎ برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است

اسی مضمون کی ہمارے عربی شاعر نے یوں تائید کی ہے: وَخَيْرُ الْكَلَامِ مَا كَانَ لَحْنًا

جناب پرویز صاحب بَرًّا بِوَالِدَيْهِ کے تحت (شعلہ مستور صفحہ ۱۰۶ پر) ایک طویل نوٹ دیتے ہیں، جس میں حضرت یحییٰ کے متعلق بَرًّا بِوَالِدَيْهِ کا ذکر بھی ہے لیکن یہ نوٹ کسی حقیقت تک پہنچنے کے لئے نہیں دیا گیا بلکہ نہایت سرسری انداز میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے:

"معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں عام طور پر والدین سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا اسی لئے اس خصوصیت کا ذکر نمایاں طور پر کیا گیا ہے"۔

ملاحظہ کیا آپ نے کس طرح بِرّ کے معنی کو پہلے محدود کیا اور پھر بجائے قرآن مجید میں غور کرنے کے مشکوک انداز میں "معلوم ہوتا ہے" سے بات ختم کردی۔ ماں باپ کے ساتھ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اولاد فرمانبردار وخدمت گذار بھی رہی اور نافرمان وگستاخ بھی، یہ کوئی موسم کا پھل تو ہے نہیں کہ فلاں زمانہ میں والدین سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا، البتہ اگر پرویز صاحب یہ لکھتے تو ایک بات بھی ہوتی کہ غالباً اس زمانہ کے لوگ میری بصیرتِ قرآنی کے مطابق یہ تسلیم کرچکے تھے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض نہیں ہے (دیکھئے طاہرہ کے نام خطوط) قرآن مجید کی اتنی پُرمعنی اور گہری بات سے سطحی معنی نکال کر آگے بڑھ جانا بصیرتِ قرآنی کا دیوالیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۶۷ تا ۷۰)

طاہر سورتی مرحوم کے ناروا حملوں سے قطع نظر، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وَقَرِّي عَيْنًا (مریم 19:25) کس کا قول ہے۔ طاہر مرحوم نے شاید اس موقع پر حضرت عیسیٰؑ کو بے پدر ثابت کرنے کی ایک دلیل کے طور پر پیش کرنے کے لئے پہلے سے پیش بندی کر رکھی تھی کہ قارئین کو اندھیرے میں رکھا جائے اور پھر ڈرامائی طور پر انکشاف کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، چنانچہ سورتی مرحوم فرماتے ہیں:

"لیکن کیا وجہ ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کو اللہ ماں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بتا رہا ہے وَقَرِّي عَيْنًا (۲۶) معلوم ہوا کہ ان کے باپ تھے ہی نہیں۔"

قارئین سے استدعا ہے کہ وہ طاہر سورتی مرحوم کے سورۃ مریم کی آیات 22 تا 26 کے ترجمہ کا بغور مطالعہ کریں۔ کیا کہیں ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا ہے کہ سورتی مرحوم نے ان آیات میں فَحَمَلَتْهُ میں ضمیر مجرور 'ہ'

کا مرجع اللہ تعالیٰ بتایا ہے؟ یا مریمؑ کے نیچے کی طرف سے آواز دینے والے کو، کہ تو غم نہ کر یا یہ کہنے والا کہ "تیرے نیچے تیرے رب نے ایک بلند مرتبہ سردار پیدا کیا ہے"، یا کھجور کے تنا کو ہلانے کھانے پینے اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کرنے اور کوئی انسان نظر آئے تو اسے یہ کہہ دینے کے مشورے دینے والے کو کہ میں نے خدا کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے لہٰذا آج میں کسی سے بات چیت نہیں کروں گی، اللہ تعالیٰ ظاہر کیا ہے؟ فانتبذت بہ میں ضمیر مجرورہ کا مرجع انکے ترجمہ سے پیٹ کا بچہ بنتا ہے۔ اور یہی آیات 21 تا 26 میں مذکور اقوال کا قائل اور افعال کا فاعل نظر آتا ہے۔ لیکن پیٹ کے بچہ کے لئے علیحدہ ضمیر نہیں آتی۔ لامحالہ ان اقوال کا قائل اور افعال کا فاعل، جو ان آیات میں مذکور ہے، حضرت مریمؑ کا خاوند ہے، کیونکہ اس سے نکاح کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوئی تھیں اور اسی کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئی تھیں۔ فانتبذت بہ میں ضمیر مجرور (ہ) کا مرجع حضرت مریمؑ کا خاوند ہے۔ عورت کا مرد کے ذریعے حمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی عورت حاملہ ہو تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ خود بخود حاملہ ہو گئی ہے۔ نکاح ہو یا سفاح مرد ہی حمل کا باعث بنتا ہے۔

اگر طاہر سورتی مرحوم یہ سب کام روح سے منسوب کرتے، تو درست ہوتا لیکن وہ تو روح سے مراد فرشتہ لیتے ہیں، جو انسانی روپ دھار کر حضرت مریم کے پاس آیا اور انہیں یہ بتا کر کہ "میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور تجھے ایک پاکباز لڑکا بخشنے کے لئے آیا ہوں" ایسے غائب ہوا ہے کہ آج تک کسی کو اس کی خبر نہ ہو سکی کہ وہ کہاں ہے، شاید اس کے اس کہنے میں ہی کہ تجھے ایک پاکباز لڑکا بخشنے کے لئے آیا ہوں طاہر سورتی مرحوم کے خیال میں کچھ ایسی تاثیر تھی، کہ حضرت مریم خود بخود حاملہ ہو گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب وقری عینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد کا ہی قول ہے، جو انہوں نے قلبی مسرت کے لئے مریمؑ سے کہا تھا، تو اس اعتراض کا کوئی وزن نہیں جو طاہر سورتی مرحوم نے اٹھایا ہے۔ یہ روایت غلط نہیں کہ انہوں نے (حضرت عیسیٰؑ کے والد نے) اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے ساتھ بھی رہے، کیونکہ حضرتؑ کے والد خود سورہ مریم کی آیات (22 تا 25) اور بعد کی آیات کے مطابق حضرت مریمؑ کے سفر میں انکے ساتھ تھے، عیسیٰؑ کی ولادت کے موقع پر موجود تھے اور ولادت کے بعد ماں بیٹے کو لے کر اپنے وطن پہنچے لیکن حضرت مریمؑ کے اپنے بیٹے عیسیٰؑ کو سوار کرا کر اپنی قوم کے پاس لانے سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ حضرت مریم اپنی قوم کے پاس آئیں تو عیسیٰؑ نبی بنائے جا چکے تھے اور انہیں انجیل بھی عطا کی گئی تھی جیسا کہ انکے قول انی عبداللہ اتنی الکتٰب وجعلنی نبیا سے واضح ہے اور رسول کریم علیہ

التحیۃ والتسلیم سے قبل تمام انبیاء ورسل بالغ ہونے پر یہ اعزاز دیئے گئے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، قرآن مجید میں ایجاز واختصار سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ جس سے علماء، مفسرین اور مترجمین نے ناجائز فائدہ اٹھا کر غیر معقول مطلب بیان کئے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کی ولادت کے بعد حضرت مریمؑ کے اپنے بیٹے کو سوار کرا کر اپنی قوم کے پاس لانے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن قوم کے اعتراض پر حضرت عیسیٰؑ کے جواب سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جواب اس زمانہ کا ہے جب حضرت عیسیٰؑ جوان ہو کر نبی بنائے جا چکے تھے اور صاحب کتاب بن چکے تھے، یعنی حضرت عیسیٰؑ کے والد انہیں اور انکی والدہ کو اپنے وطن لے گئے جہاں وہ پلے بڑھے، جوان ہوئے اور نبی بنائے گئے اور کتاب دی گئی اور جب حضرت مریمؑ اپنے بیٹے کو سوار کرا کر اپنی قوم کے پاس لائیں تو والد ساتھ نہ تھے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ چونکہ اس وقت والدہ ساتھ تھیں، اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے بطور خاص انکے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا اور نہ وہ کسی کے ساتھ بھی بشمول اپنے والد کے درشت خو نہ تھے اور نہ بد بخت تھے۔

طاہر سورتی مرحوم نے آیت (مریم 19:30) اور اس کا معنی پیش کر کے لکھا ہے:

''تعجب ہے کہ ہر جگہ تک کے لئے وہ (حضرت عیسیٰؑ) خیر و برکت ہیں بس اگر کسی کے لئے نہیں ہیں تو اپنے باپ کے لئے نہیں ہیں؟؟''

اس آیت سے اس قسم کا مفہوم اخذ کرنا طاہر سورتی مرحوم کو ہی زیب دیتا ہے۔ جب تک حضرت عیسیٰؑ کے والد زندہ رہے، وہ انکے اور والدہ کے پاس رہے۔ لہٰذا دونوں کے لئے خیر و برکت تھے۔ اور انکے خدمت گزار، اطاعت شعار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے اور انکے دل کا نور اور آنکھوں کا سرور بنے رہے۔ لیکن چونکہ موقع کا تقاضا تھا کہ اپنی والدہ کی موجودگی میں خاص طور پر انکے ساتھ حسن سلوک، فرمانبرداری اور خدمتگزاری کا ذکر کرتے تا کہ ثابت کریں کہ انکی والدہ نے ہیکل کے متولیوں اور مجاوروں کی اجازت اور مرضی کے بغیر جو نکاح کیا تھا صحیح تھا۔ اگر یہ نکاح غلط ہوتا یا حرام ہوتا تو وہ یوں کیوں کہتے وَبَرًّا بِوَالِدَتِي (اور مجھے اپنی ماں کے لئے وسیع پیمانہ پر خیر و برکت کا باعث بنایا ہے (ترجمہ طاہر سورتی) خیر و برکت کا باعث بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا موقع کی مناسبت سے حضرت عیسیٰ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ماں کے لئے وسیع پیمانے پر خیر و برکت کا باعث بنایا ہے، اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جب تک انکے والد زندہ رہے وہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتے رہے۔ مگر طاہر سورتی مرحوم تو موقع بے موقع حضرت عیسیٰؑ کی

والدہ کے ذکر سے خواہ مخواہ حضرت عیسیٰؑ کو بے باپ کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے لاحاصل ایڑی چوٹی کا زور لگانے پر تلے ہوئے ہیں۔

انجیل متی باب 2 آیات 19 تا 23 میں ہے: ''جب ہیرودیس مر گیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دیکر کہا۔ اٹھ اس بچے اور اسکی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں چلا جا، کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے، پس وہ اٹھا اور بچے اور اسکی ماں کو ساتھ لیکر اسرائیل کے ملک میں آ گیا، مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہ وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہو گیا اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔''

دکتور احمد سوسہ نے اپنی کتاب مفصل العرب والیہود فی التاریخ شائع کردہ وزارۃ الثقافۃ والاعلام، دار الرشید للنشر، جمہوریہ عراق (1981)، جو تاریخی حقائق کے اثری اکتشافات پر مشتمل ہے، صفحہ 815 پر لکھا ہے:

بيت لحم (بيت الخبز) قرية صغيرة مبنية على اكمة تبعد ستة اميال الى الجنوب من اور شليم، يرجع تاسيسها الى عصور قبل عصر اليهود دفنت فيها راحيل زوجة يعقوب وهي مسقط رأس داؤد وقد اخذها الفلسطينيون في عهد الملك داؤد ثم حصنها رحبعام ملك يهودا ولد فيها المسيح وفيها اقدم كنيسة مسيحية في العالم وهي مشتركة بين الروم والاتين والارمن ويجانبها اديرة لهذه الطوائف ...

ترجمہ: ''بیت اللحم یا بیت الخبز یروشلم سے جنوب کی جانب 6 میل دور ایک ٹیلہ پر بنا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو یہودیوں کے زمانہ سے قبل تعمیر ہوا تھا۔ یہاں یعقوب کی بیوی راحیل مدفون ہے۔ یہ داؤدؑ کی جائے پیدائش ہے۔ بادشاہ داؤد کے عہد حکومت میں اس پر فلسطینیوں نے قبضہ کر لیا۔ اور مملکت یہودا کے بادشاہ رحبعام نے اس کو قلعہ بند کیا۔ (93-913 قبل مسیح) مسیحؑ یہیں پیدا ہوئے اور یہیں دنیا کا قدیم ترین مسیحی گرجا ہے۔ اور آجکل رومیوں ملاطینیوں اور ارمن کے مابین مشترک ہے۔ اس کے ایک طرف ان قوموں کی خانقاہیں ہیں۔''

مذکورہ کتاب کے صفحہ 879 پر ناصرہ کے متعلق لکھا ہے:

الناصرة مدينه بشمال فلسطين اشتهرت بكونها وطن السيد المسيح مدة طفولتہ وصباہ ، تبعد 14 ميلا عن بحر الجليل و 66 ميلا عن اور شليم ذكرت 290 مرة فى العهد الجديد ويذكر يا قوت ان اسم النصارى اشتق منها وهى ليوم مركز يحج اليه المسيحيون وبه اضرحة كثيرة و كنائس قديمة ۔"

ترجمہ ناصرہ شمالی فلسطین کا ایک شہر ہے اور مسیح کا انکے بچپن اور کم سنی کے عرصہ میں وطن ہونے کی وجہ سے مشہور ہے یہ شہر گلیل کی جھیل سے 14 اور یروشلم سے 66 میل کے فاصلہ پر واقع ہے عہد جدید میں 290 دفعہ اس کا ذکر آیا ہے۔ یاقوت نے بتایا ہے کہ اسی شہر ناصرہ سے نصاریٰ کا نام مشتق ہے۔ یہ شہر آجکل عیسائیوں کی یاترا کا مرکز ہے۔ یہاں کئی مقبرے اور قدیم گرجے ہیں۔

المنجد فی الاعلام میں بیت لحم کے متعلق لکھا ہے:

بيت لحم : بلدة فى فلسطين جنوبى القدس۔26000ن فيها ولد دا ؤد النبى والسيد المسيح بنى فيها الامبرا طور قسطنطين (330) كنيسة فى المو ضع الذى ولدفيه المسيح من مزاراتها كنيسة المهد ۔مصنوعات صدفية واعمال التطريز ترجمہ: بیت لحم، القدس کے جنوب میں فلسطین کا ایک شہر ہے۔ آبادی 26000 نفوس پر مشتمل ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ یہیں پیدا ہوئے تھے۔ بادشاہ قسطنطین نے اس شہر میں حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش پر ایک گرجا تعمیر کرایا، اس کی ایک زیارت گاہ کنیسة المهد ہے۔ مصنوعات مٹی کے برتن وغیرہ اور سوزن کاری کے کام ہیں۔

اور ناصرہ کے متعلق بتایا ہے:

الناصرہ (Nazareth): مدينة فى شمال فلسطين (الجليل)۔بلدة العذراء مريم۔ 25000ن ۔قضى فيها المسيح حياته المحتجبه فدعى ناصريا واتباعة نصارىٰ ۔

ترجمہ: ناصرہ شمالی فلسطین (گلیل) میں کنواری مریم کا شہر ہے۔ آبادی 25000 نفوس ہے۔

یہاں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے وہ دن گذارے جن پر پردہ پڑا ہوا ہے۔
حضرت عیسیٰ اسی وجہ سے ناصری اور انکے متبعین نصاریٰ کہلائے۔''

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ عیسیٰؑ بیت لحم میں پیدا ہوئے اور ناصرہ میں اپنے لڑکپن اور کم سنی کا زمانہ گزارا۔ بیت لحم، بیت المقدس (القدس، یروشلم) سے چھ میل دور ہے اور ناصرہ 66 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ متی باب 2 کی آیات 19 تا 23 سے واضح ہے کہ یوسف نجار اپنے بیٹے عیسیٰؑ اور بیوی مریمؑ کو لیکر پہلے مصر گیا پھر ملک اسرائیل بعد ازاں گلیل کے ایک شہر ناصرہ میں جابسا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنا لڑکپن اور کم سنی کا زمانہ اس شہر میں گزارا۔ حضرت عیسیٰؑ کے اور بھائی بھی تھے، جس کا ثبوت قرآن مجید کی آیت (الانعام 88:6) ومن آبائھم وذریاتھم واخوانھم میں موجود ہے اور انجیل متی باب 13 آیت 56 میں ہے: ''کیا یہ (عیسیٰؑ) بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اسکی ماں کا نام مریم اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہودا نہیں اور اسکی سب بہنیں تمہارے ہاں نہیں؟'' اس سے واضح ہے کہ عیسیٰؑ کے بھائی اور بہنیں بھی تھیں۔ قرآن مجید میں اگر بھائیوں اور بہنوں سے حسن سلوک کا ذکر نہیں تو اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ جس موقع پر حضرت عیسیٰؑ نے اپنی والدہ سے حسن سلوک کا ذکر کیا، وہ اسی ذکر کا متقاضی تھا۔

درحقیقت، حضرت عیسیٰؑ نے موقع محل کی مناسبت سے اپنی والدہ سے اس لئے حسن سلوک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ انکی والدہ نے ہیکل کے متولیوں اور مجاوروں کی مرضی اور اجازت کے بغیر ہیکل سے نکل کر اور اپنے گھر آ کر اپنے چچازاد یوسف نجار سے نکاح کر لیا تھا۔ اور یہ نکاح جائز اور شریعت کے مطابق تھا۔ لہذا اس نکاح کے جائز ہونے کی دلیل کے طور پر، انہوں نے اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے الٰہی حکم کا ذکر کیا، ورنہ وہ اپنے والدین، بھائیوں اور بہنوں بلکہ سب کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے، لیکن ان سب سے حسن سلوک کے ذکر کا یہ موقع نہ تھا۔ پرویز مرحوم نے اگر ''اس زمانہ میں عام طور پر والدین سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا'' کہا ہے تو آیت میں برا بوالدتی (مریم 32:19) میں صرف والدہ کے ذکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور طاہر سورتی مرحوم نے بھی اس سے اس دلیل کے استخراج میں ٹھوکر کھائی ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ بے پدر پیدا ہوئے تھے، حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کا مطلب یہ ہے، کہ اگر خدانخواستہ میری والدہ نے خدا کے حکم کے برخلاف کام کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ مجھے کیوں اس ماں کے ساتھ بالخصوص حسن سلوک سے پیش آنے کا الگ حکم دیتے۔ میں فی الواقع اپنے باپ کا بھی سعادتمند

بیٹا ہوں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے جبار و شقی نہیں بنایا۔

طاہر سورتی مرحوم کی چھٹی دلیل یہ ہے:

(۶) لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ۔ حضرت مریمؑ کے پاس جب اللہ کی روح ایک بھلے چنگے بشر کے روپ میں آئی تو انہوں نے اس سے اللہ کی پناہ مانگی، جس پر اس نے کہا میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں۔ اور تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشنے کے لئے آیا ہوں، اس پر حضرت مریمؑ اور فرستادہ کے درمیان یوں کلام ہوتا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۔ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (۱۹) قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا (۲۰) قَالَ کَذٰلِکِ ۔ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (۲۱) (سورہ مریم 19)

(مریم نے) کہا میرے بچہ کیوں کر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں زنا کار ہوں۔ (فرستادہ نے) کہا اے مریم! معاملہ ایسا ہی ہے جیسے تو کہہ رہی ہے، تیرے رب کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک آیت اور اپنی طرف سے رحمت بنادیں، اور یہ طے شدہ امر ہے۔

غور فرمایئے۔ اللہ کا فرستادہ (روح) حضرت مریمؑ کے پاس خلوت میں بشر کا روپ دھار کر پہنچتا ہے۔ کہ میں بچہ دینے کے لئے آیا ہوں۔ اگر وہ ان کا شوہر ہوتا تو وہ اس سے خدا کی پناہ کیوں مانگتیں۔

پھر ملاحظہ فرمایئے وہ حیرت سے کہتی ہیں کہ میرے بچہ ہوگا کیونکر جبکہ حالت یہ ہے کہ نہ مجھے کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ میں خود زنا کار ہوں اب اگر ان کی شادی یا منگنی ہو چکی تھی تو پھر بچہ ہونے پر تعجب کی بات کونسی تھی؟ اور انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ نہ تو مجھے کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔ (ابن مریم اور پرویز صفحہ ۷۰۔۷۱)

اگر چہ ان دو آیات کا ترجمہ اور تشریح اس مقام پر پہلے کیا جا چکا ہے، جہاں طاہر سورتی مرحوم نے انکا سلسلہ وار ترجمہ دیا ہے، لیکن چونکہ انہوں نے لم یمسسنی بشر کا عنوان قائم کر کے پھر اس کے متعلق خامہ فرسائی کی ہے، اس لئے دوبارہ عرض ہے کہ جب حضرت مریمؑ ہیکل میں فرشتوں کی طرف سے بشارت ملنے کے بعد اپنے گھر آگئیں اور اہل خانہ سے علیحدگی میں ایک جگہ جو شرقی جانب تھی بیٹھی ہوئی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک سعید روح کو جو ایک تندرست انسان تھا انکے پاس بھیجا۔ حضرت مریمؑ نے فرشتوں کی طرف سے بشارت ملنے پر اپنے نکاح کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی شخص خود اپنی طرف سے آکر اس معاملہ میں دخل دے، چنانچہ اس سعید روح کو آتا دیکھ کر بول اٹھیں: بلاشبہ میں تجھ سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں، اگر تو سچ مچ پرہیزگار ہے، (جیسا کہ میں تجھے جانتی ہوں کہ تو ہے) تو اپنی طرف

سے اس معاملہ میں کوئی دخل نہ دے۔ اگر مریم اس شخص کو نہ جانتی ہوتیں اور وہ کوئی غیر مرد ہوتا تو شور مچا کر اپنے گھر والوں کو بلا لیتیں) اس پر اس شخص نے کہا کہ میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ (جس کا تجھے انتظار ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ تجھ کو پاک لڑکے کے دینے کا موجب بنوں"۔ یہ سن کر مریمؑ نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ کسی انسان نے نہ تو (نکاح کے ساتھ) مجھے چھوا ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں (تو یہ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے میرے پاس پاکیزہ بیٹا دینے کا باعث بننے کے لئے بھیجا ہے تو کیا تو نکاح کی غرض سے آیا ہے؟) اس شخص نے کہا بات یوں ہی ہے جیسے تو نے کہا (یعنی بغرض نکاح آیا ہوں اور یہ نکاح تجھے مشکل نظر آتا ہے) تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ (قوم کے اجماع کی مخالفت) میرے نزدیک ایک ہلکی سی بات ہے اور (ہمارا ارادہ ہے کہ) ہم اسے لوگوں کے واسطے ایک نمونہ بنائیں اور یہ (سب کے لئے) ہماری طرف سے رحمت ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہے"

تفاسیر نے عموماً روح سے جبرائیل فرشتہ مراد لیا ہے۔ فرشتہ انسان کا ہم جنس نہیں، اسلئے وہ کسی انسان کا باپ نہیں ہو سکتا اس کے بعد ہے فَحَمَلَتْهُ جس کا معنی ہے: الغرض مریمؑ کے اہل ہیں یہ نکاح ہو گیا جس کے نتیجہ میں) اس نے اس بچہ کو اپنے پیٹ میں لیا۔" عورتیں نکاح یا سفاح کے ذریعہ مردوں سے حاملہ ہوتی ہیں۔ فرشتہ جبریل سے نکاح کی نسبت نا قابل تصور ہے۔ انسان کی ابتدائی پیدائش کے بعد، اسکی پیدائش کا قاعدہ حقیر پانی سے جاری وساری ہے اور فنائے عالم تک جاری رہے گا۔ انسان کی زندگی روح سے قائم ہے، روح نکل جائے تو یہ خاکی جسم لاش کہلاتا ہے، اور دن بدن گل سڑ کر معدوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے روح کو انسان بھی کہا جاتا ہے۔ روحنا میں روح سے مراد انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، اس لئے روح بھی مخلوق ہے۔ اور انسان بھی مخلوق ہے۔ المنجد نے روح کے متعدد معانی لکھے ہیں، ایک روح یعنی جان ہے دوسرا معنی نفس ہے اور نفس کا ایک معنی شخص بھی ہے۔ نفس کے شخص کے معنی میں المنجد نے ایک مثال دی ہے۔ جو یہ ہے: عندی خمسة عشر نفساً (میرے پاس پندرہ شخص ہیں)۔ آیت کریمہ فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا کے اس لحاظ سے معنی ہوں گے۔ "اس موقع پر ہم نے مریمؑ کی طرف ایک شخص کو بھیجا۔ جو انکے سامنے آیا۔ یہ شخص ایک تندرست انسان تھا۔ ویسے اردو میں جب کوئی کہتا ہے فلاں ایک نیک روح ہے تو اس سے مراد ہوتی ہے۔ "وہ ایک باکردار شخص ہے۔"

بالعموم ہماری تفاسیر تفسیری روایات پر مبنی ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ امام حنبل کے نزدیک تفسیری روایات تمامتر بے اصل ہیں۔ یہ تفاسیر باہم متضاد ہوتی ہیں۔ انکے تضاد کی ایک مثال تفسیر الخازن سے ملاحظہ ہو:

قال ابن عباس کان الحمل و الولادة فی ساعة واحدة وقیل حملته فی ساعة وصور فی ساعة ووضعته فی ساعة حین زالت الشمس من یومها وقیل کانت مدته تسعة اشهر کحمل سائر الحوامل من النساء وقیل کانت حملها ثمانية أشهر وذلک اية اخری له لأ نه لایعیش من ولد ثمانية اشهر وولد عیسی لهذه المدة وعاش وقیل ولد لستة اشهر و هی بنت عشر سنین وقیل ثلاث عشرة سنة وقیل ست عشرة سنة و قد کانت حاضت حیضتین قبل ان تحمل بعیسیٰ

(جلد سوم صفحہ 232) ترجمہ: ابن عباس نے کہا حمل اور ولادت ایک ہی گھڑی میں ہوئے۔ بعض کے نزدیک ایک ہی دن میں مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک گھڑی میں اپنے پیٹ میں لیا، ایک گھڑی میں عیسیٰؑ کی صورت وشکل بنی اور ایک گھڑی میں مریمؑ نے بچہ جنا۔ بعض کے نزدیک حمل کی مدت تمام حاملہ عورتوں کی طرح نو ماہ تھی۔ بعض کے نزدیک حمل آٹھ ماہی تھا اور یہ حضرت عیسیٰ کا ایک معجزہ ہے کیونکہ کوئی آٹھ ماہا بچہ زندہ نہیں رہتا اور عیسیٰ آٹھ ماہے تھے اور زندہ رہے بعض کا کہنا ہے کہ آپؑ چھ ماہے تھے اور مریمؑ کی عمر دس سال تھی۔ بعض کے نزدیک 16 سال اور عیسیٰؑ کو پیٹ میں لینے سے قبل انہیں دو حیض آچکے تھے۔'' ان تفسیری روایات میں صرف ایک راوی کا نام ابن عباس بتلایا گیا ہے۔ باقی سب گمنام رکھے گئے ہیں۔

غالباً تفاسیر میں روایات کے زیادہ سے زیادہ تضادات دکھانے کا مقصد یہ تھا کہ قصہ گو اور خطیب حضرات ان بیش بہا معلومات سے پوری طرح لیس ہو کر اپنے سامعین سے داد تحسین وصول کریں اور واہ واہ اور سبحان اللہ اور اللہ اکبر کے خوب نعرے لگائے جائیں۔ مقصد یہ کہ لوگوں کی عقلیں ماؤف ہو کر اس قابل نہ رہیں کہ غلط اور صحیح میں تمیز کر سکیں، اور ان کے دلوں میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسی پاکیزہ اور عظیم الشان شخصیتوں کے لئے کوئی احترام وتوقیر باقی نہ رہے اور انہیں انکی شان میں گستاخیاں کرتے رہنے کی جرأت ہوتی رہے، مگر متضاد ہونے کی وجہ سے ایسی روایات اہل نظر کے لئے ساقط الاعتبار ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں، تفسیری روایات کا مطمع نظر، جو بالعموم وضعی ہوتی ہیں قرآن مجید

کے صحیح مفہوم تک رسائی میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ عقائد باطلہ، جو اسلام میں در آئے ہیں، انہی موضوع تفسیری روایات پر مبنی ہیں، طاہر سورتی مرحوم نے ان تفسیری روایات سے استناد کے ذریعے بظاہر حیرت انگیز اور عقلی دلائل لیکن درحقیقت بے اصل و بے بنیاد دلائل سے کام لیا ہے۔

اب قارئین طاہر سورتی مرحوم کی ساتویں دلیل سے محظوظ ہوں۔

(۷) کَذٰلِکِ۔ اس کے بعد اس فرستادہ کا کَذٰلِکِ کہنا ایک عظیم ثبوت ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ تجھے نہ تو کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ ہی تو زنا کار ہے۔ لیکن اسی حالت میں تجھے بچہ بھی دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں بچہ کا ملنا ناممکن ہے۔ مگر تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ یہاں ایک تو "کَــذٰلِکِ" غور طلب ہے۔ اس میں شروع کا "کاف" تو حرف تشبیہ ہے اور آخر کا "کاف" ضمیر حاضر "مونث" کا ہے۔ یعنی اے مریم جس طرح تو نے کہا ہے بات ایسی ہی ہے۔ کَــذٰلِکَ یا کَــذٰلِکِ قرآن مجید میں جہاں بھی آیا ہے اپنے ماقبل کی تائید کرتا ہے، آخری کاف مخاطب کے مطابق (مذکر مونث یا واحد و مثنی و جمع کے لئے) بدلتا رہتا ہے، یہاں چونکہ حضرت مریمؑ مخاطب ہیں اور ان کی بات کی تصدیق مراد ہے لہٰذا آخری کاف "پر زیر ہے" یہ اتنا واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ نہ تو حضرت مریمؑ کو کسی مرد نے چھوا نہ ہی وہ زنا کار تھیں لیکن بایں ہمہ ان کو بچہ بھی دیا گیا۔ آخری کاف کا زیر ایسی حقیقت ہے جس کی تصریح خود پرویز صاحب کے لغات القرآن میں بھی موجود ہے۔ لیکن دیکھئے جب آدمی حق چھوڑ کر دھاندلی بازی پر اُتر آتا ہے تو وہ موڑ توڑ کر کیسی کیسی تاویلات کرتا ہے چنانچہ شعلہ مستور کے صفحہ 100 پر اس "کَــذٰلِکِ" کی قوت ختم کرنے اور اپنی اپنی من مانی تاویل کو ثابت کرنے کے لئے کس قدر جاہلانہ معنے کئے گئے ہیں جو نہ صرف قرآنی رُوح کو ختم کر دیتے ہیں بلکہ علمی امانت کے بھی خلاف ہیں، فرماتے ہیں:

"ہر شخص جانتا ہے کہ حمل کس طرح قرار پایا کرتا ہے۔ کَذٰلِکِ اسی طرح جس طرح ہر شخص جانتا ہے۔ اور جس طرح خود حضرت مریمؑ کے دل میں خیال گذرا تھا کہ اس کے لئے بشر کے ساتھ تمسک کی ضرورت ہے"

اسے کہتے ہیں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ "قرآن مجید کچھ کہہ رہا ہے اور یہ اپنی چرب قلمی اور سحر خطابت سے کہاں کی بات کدھر لے گئے ہیں، قرآن مجید یہ کہہ رہا ہے کہ واقعۃً اے مریم تیرا استعجاب برمحل ہے اور اپنے متعلق جو کچھ تو نے کہا ہے وہ بھی حق ہے نہ تو تجھے کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ تو زنا کار ہے، مگر بایں ہمہ یہ خدا کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ یہاں قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ " بھی یہ بتا رہا ہے کہ یہ عام قاعدہ سے الگ ہٹی ہوئی بات ہے۔ ورنہ اللہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ایسا کرنا مجھ پر آسان ہے" زن و شوہر کے تعلقات کے بعد بچہ کا پیدا ہونا معمول ہے۔ یہ تو خدا کا عمومی قاعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اُن سنتوں میں سے ہے جنہیں تمام انسان جانتے ہیں۔ (صفحہ: ۷۱-۷۳)

طاہر سورتی مرحوم کَذٰلِکِ سے پہلے بھی استدلال کر چکے ہیں۔ اس کے اعادہ سے جو بات وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہمیں کلام ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ زیر بحث کَــذٰلِکِ سیاق و سباق کے لحاظ سے

یہاں کس مفہوم کا حامل ہے۔اس کَذٰلِکِ کا تعلق سورہ مریم کی آیات 19، 20 سے ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (۱۹) قَالَ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا (۲۰) ترجمہ: اس (سعید روح نے) کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ (جس کا تو انتظار کررہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے کا موجب بنوں۔ یہ سعید روح مریمؑ کا چچازاد یوسف نجار تھا۔ وہ ایک تندرست انسان تھا۔ ایک تندرست انسان اگر بیٹا بخشنے کا باعث بننے کے لئے بھیجا گیا ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ مریمؑ سے نکاح کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ مریمؑ نے اس بات کو سمجھ کر کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہوسکتا ہے، حالانکہ کسی بشر نے مجھ سے نکاح کرکے نہ تو چھوا ہے اور میں بدکار بھی نہیں ہوں (اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زنا کیلئے نہیں آسکتا تو کیا تو نکاح کرنے کے لئے آیا ہے۔ (اس فرستادہ نے) کہا: جس طرح تو نے سمجھ کر سوال کیا ہے، بات یوں ہی ہے (میں نکاح کے لئے ہی آیا ہوں)۔" یہ مفہوم سیاق و سباق کے مطابق اور اصناف سخن کی ایک صنف ایجاز حذف سے بنتا ہے، جس کا قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔

طاہر سورتی مرحوم نے سورہ مریم کی آیات 20۔21 کا جو ترجمہ کیا ہے اور جو انکی چھٹی دلیل میں اوپر درج ہے، ایک مہمل ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے مطابق مریمؑ کے یہ سوال کرنے کا کہ میرے بچہ کیوں کر ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں زنا کار ہوں، یہ کوئی جواب نہیں کہ "اے مریم! معاملہ ایسا ہی ہے جیسے تو کہہ رہی ہے۔ اس سے کسی کے کچھ بھی پلے نہیں پڑے گا۔" میرے بچہ کیوں کر ہوگا، کا جواب اس بات کا متقاضی ہے کہ مجھے بتایا جائے کہ کیا تو مجھ سے نکاح کے لئے آیا ہے، کیونکہ زنا کے لئے آنا تو ناقابل تصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے زنا کے لئے تو ہرگز نہیں بھیجا ہوگا۔ اس طرح جواب کا دوسرا ٹکڑا بھی تشریح طلب ہے جسے طاہر سورتی مرحوم نے یوں بیان کیا ہے: "تیرے رب کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے آسان ہے" کیسا کرنا آسان ہے؟ نکاح کرانا یا زنا کرانا؟ کیوں کہ مریمؑ نے کہا تھا کہ وہ نہ تو شادی شدہ ہیں اور نہ بدکار ہیں۔ اور بچہ یا تو نکاح سے ہوتا ہے یا سفاح سے، نکاح اور سفاح مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ انہوں نے کسی تیسرے احتمال کی کوئی بات نہیں کی۔ یہ تیسرا احتمال جو طاہر سورتی کے نزدیک ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر کے غلط مفہوم پر مبنی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بہر دیا فرشتے کے ذریعے کہلوا دے گا کہ بچہ ہو جا اور بچہ ہو جائے گا۔ زن

وشوہر کے جنسی فعل یا سفاح اور اس کے نتیجہ میں حمل کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کیونکہ طاہر سورتی مرحوم کے نزدیک "زن وشوہر کے تعلقات کے بعد تو بچہ کا پیدا ہونا معمول ہے۔ یہ تو خدا کا عمومی قاعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان سنتوں میں سے ہے جنہیں تمام انسان جانتے ہیں۔" مگر کتاب اللہ کے مطابق انسان کے پیدا ہونے کا یہ عمومی قاعدہ اور سنت، ابتدائی انسانی پیدائش کے بعد، حقیر پانی سے چلا آ رہا ہے، جس سے ماضی، حال یا مستقبل میں کسی استثناء کا قرآن مجید میں قطعاً کوئی ذکر نہیں۔

رہ گیا طاہر سورتی مرحوم کا یہ فرمانا کہ: "یہاں قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ بھی یہ بتا رہا ہے کہ یہ عام قاعدہ سے الگ ہٹی ہوئی بات ہے، ورنہ اللہ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ایسا کرنا مجھ پر آسان ہے" تو جناب! سورہ مریم کی آیت 9 میں یہی بات حضرت زکریاؑ کو بھی کہی گئی تھی، جہاں ارشاد ہے: قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۔ حضرت زکریاؑ نے بشارت ملنے پر عرض کیا تھا کہ میرے لڑکا کیونکر ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی حد کو پہنچا ہوا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انکی بیوی کا بانجھ پن دور کر دیا (وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ) اور حضرت زکریاؑ کو بھی "سویا" تندرست کر دیا (مریم 10:19) اسی طرح حضرت مریم کے معاملہ میں اللہ کے فرستادہ سے جو ایک تندرست انسان تھا، ان کا نکاح ہو گیا، جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوئیں (فحملته مریم 22:19) اور یہ عمومی قاعدہ نہیں ٹوٹا، نہ حضرت زکریاؑ کے معاملہ میں اور نہ حضرت مریمؑ کے معاملہ میں۔

طاہر سورتی مرحوم کا پرویز مرحوم کی کتاب شعلہ مستور کے صفحہ 100 سے ایک اقتباس پیش کر کے انہیں مطعون کرنا سراسر زیادتی ہے۔ وہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نے جو حضرت مریمؑ کو بیٹا دینے کا باعث بننے کے لئے بھیجا گیا تھا، کیا کام کر کے دکھایا سوائے اللہ تعالیٰ کا رعب جھاڑنے کے۔ حضرت مریمؑ کس طرح حاملہ ہوئیں؟ کیا وہ فرشتہ حضرت مریمؑ کے حاملہ ہونے سے پہلے چلتا بنا تھا اور وہ بیچاری اکیلی سفر پر روانہ ہوئیں اور راستہ میں انکے بچہ ہوا اور پھر اسے گود میں اٹھا کر واپس اپنی قوم میں آ گئیں، اور بچہ نے گود میں اعلان کیا کہ وہ نبی بنا دیا گیا ہے اسے کتاب دی گئی ہے۔ اور وہ اپنی والدہ سے نیک سلوک کرتا ہے، نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا چلا آ رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتیں جیسی طاہر سورتی مرحوم کر رہے ہیں کیا کسی فاضل عربی سے متوقع ہو سکتی ہیں؟ قرآن مجید قصہ طوطا مینا، طلسم ہوشربا، قصہ چہار درویش یا الف لیلۃ ولیلۃ قسم کی کتاب نہیں، جن میں بے سروپا باتیں بیان کی گئی ہیں، افسوس صد افسوس۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بھی خدا تعالیٰ کے اسی عام ہمہ گیر قاعدہ کے مطابق ہوئی جس طرح سب انسانوں کی، پہلی پیدائش کے بعد چلی آرہی ہے۔ انکا یہ کہا کہ دوسرا ہو للتی ہیں، صاف بتا رہا ہے، کہ وہ انہیں جننے والی تھیں اور جننے والی ہو تو جننے والا (والد) بھی ہوتا ہے۔ اور ان دونوں سے جنا ہوا (ولد) وجود پذیر ہوتا ہے۔ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ لم یلد ولم یو لد صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ سب انسان بلکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کن کا مظہر ہے۔ حضرت مریمؑ کا حاملہ ہونا بھی ثابت کرتا ہے، کہ ان کا شوہر تھا، جس کے چھونے سے وہ حاملہ ہوئیں، اگر طاہر سورتی مرحوم حضرت عیسیٰؑ کو بے پدر سمجھتے ہیں، تو وہ قرآن کے بجائے محرف اناجیل کا اتباع کر رہے ہیں، جن کے مطابق حضرت مریمؑ اپنے منگیتر سے نکاح سے پہلے ہی حاملہ پائی گئیں، مگر انہی محرف اناجیل میں اس منگیتر کا حضرت عیسیٰؑ کے والد کے طور پر شجرہ نسب بھی موجود ہے۔

طاہر سورتی مرحوم کا یہ کہنا کہ "اس کے بعد اس فرستادہ کا کذلکِ کہنا ایک عظیم ثبوت ہے، جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ تجھے نہ تو کسی مرد نے چھوا ہے اور نہ تو زنا کار ہے، لیکن اسی حالت میں تجھے بچہ بھی دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ اس حالت میں بچہ کا ملنا ناممکن ہے مگر تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ یہاں ایک تو کذلکِ غور طلب ہے۔ اس میں شروع کا "کاف" تو حرف تشبیہ ہے اور آخر کا "کاف" ضمیر حاضر مونث کا ہے، یعنی اے مریمؑ جس طرح تو نے کہا ہے بات ایسی ہی ہے" اور پھر یہ کہنا کہ:

> "یہاں چونکہ حضرت مریمؑ مخاطب ہیں اور انکی بات کی تصدیق مراد ہے لہٰذا آخری "کاف" پر زیر ہے، یہ اتنا واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ نہ تو حضرت مریمؑ کو کسی نے چھوا ہے نہ ہی وہ زنا کار تھیں، لیکن بایں ہمہ ان کو بچہ بھی دیا گیا۔"

آیت کریمہ کو غلط معنی پہنانا ہے۔ کیونکہ حضرت مریمؑ نے کہا یہ تھا کہ میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا، حالانکہ مجھے کسی بشر نے (نکاح کے ذریعے) چھوا نہیں اور نہ میں زنا کار ہوں"۔ طاہر سورتی "سوال کھا گئے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ سوال کا ذکر کرتے تو جو جواب انہوں نے کذلکِ کے معنے دیکر دیا ہے، وہ صحیح نہیں ٹھہرتا۔ طاہر سورتی کذلک کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ: اے مریم جس طرح تو نے کہا ہے بات ایسی ہی ہے۔ حالانکہ سوال متقاضی ہے کہ بتلایا جائے کہ انکے ہاں بچہ کیونکر ہوگا، جبکہ وہ نہ تو شادی شدہ ہے اور نہ بدکار۔ مریمؑ کو

بتانا چاہیے تھا کہ بچہ یوں ہوگا یا دوں ہوگا۔اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ تو جو کہتا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے مجھے پاکیزہ بچہ دینے کا باعث بننے کے لئے بھیجا ہے (مریم19:19) تو میری تو ابھی شادی نہیں ہوئی اور نہ میں بدکار ہوں تو کیا تو مجھ سے نکاح کرنے کے لئے آیا ہے۔؟ پاکیزہ لڑکا وہ ہوتا ہے جو والدین کے جائز نکاح سے پیدا ہو۔لہٰذا کـذلک کا یہاں معنی ہے: جس طرح تو نے سوال کیا ہے بات ایسے ہی ہے یعنی میں نکاح کی غرض سے آیا ہوں۔باقی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔قرآن مجید میں کذلک کئی جگہ آیا ہے۔ ہر جگہ سیاق وسباق کو مدنظر رکھ کر مفہوم متعین کرنا چاہیے۔طاہر سورتی " بَـغِیٌّ " کا عنوان قائم کرکے مزید ارشاد فرماتے ہیں:

بَـغِیٌّ : یہاں "بَغِیًا" سے متعلق بھی کچھ بتا دینا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا،اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح پرویز صاحب پہلے اپنے ذہن میں ایک عقیدہ قائم کرنے کے بعد پھر اس کے تائیدی شواہد تلاش کرنے کے لئے قرآن کی ورق گردانی فرما رہے ہیں اور جسے وہ خود تدبر قرآن کا غلط طریقہ قرار دیتے ہیں۔پرویز صاحب کے ذہن میں راہبہ (NUN) کا ایک خاص تصور موجود ہے جس کی تردید ہم قرآن مجید سے پہلے کر آئے ہیں۔راہبہ کے اس خود ساختہ تصور کو دماغ میں رکھ کر وہ 'بَغِیٌّ' کے معنی سرکش یا حدود شکن کرتے ہیں۔حالانکہ خود اپنی لغات میں وہ لکھتے ہیں:

" بَغَتِ الْمَرْأَةُ بِغَاءً عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہوگئی۔ بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار عورت کو کہتے ہیں "۔ (لغات القرآن جلد اوّل صفحہ 335)

لیکن اگلے صفحہ تک پہنچتے پر وہ خود اس معنے کو بھول جاتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں:

سورۃ نور میں اَلْبِغَاءُ کا لفظ زنا کاری کے لئے آیا ہے (۲۴/۳۳) لیکن سورۃ مریمؑ میں بَغِیًا کا لفظ حدود شکن کے لئے آیا ہے (۱۹/۲۰) خاص طور پر زنا کار کے لئے نہیں،یعنی حضرت مریمؑ نے کہا کہ میں ہیکل میں (NUN) کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔اور (NUNS) کے متعلق" قانون شریعت" یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں میں نے اس قانون کو نہیں توڑا۔واضح رہے کہ ہیکل کے احبار و رہبان حضرت مریمؑ کے خلاف یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ہیکل سے نکل کر متاہل زندگی اختیار کرلی ہے اور یہ چیز شریعت خانقاہیت کے خلاف ہے۔اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدودِ شریعت کو نہیں توڑتی تھی (۱۹/۲۸) تو نے حدود شکنی کیسے اختیار کرلی۔(لغات القرآن حصہ اوّل صفحہ 336)

ملاحظہ فرمایا آپ نے ایک طرف تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت مریمؑ کی ماں نے انہیں راہبہ بنایا اور اللہ نے ان کے عمل کو قبول کرلیا اور ظاہر ہے کہ اللہ قانون کے مطابق کام کو قبول کرتا ہے۔راہبہ کے لئے قانون الٰہی یہ تھا کہ وہ تجرد کی زندگی گزارے۔دوسری طرف کہا جا رہا ہے کہ حضرت مریمؑ نے یوسف سے شادی کرلی یعنی تجرد کی زندگی گذارنے کے قانونِ شریعت کو توڑ دیا پھر بھی وہ "صدیقہ" اپنے آپ کو حدود شکن اور قانون شکن نہیں مانتی ؟ یہ ہے وہ

تضاد جو پرویز صاحب کے ہاں راہبہ کے خود ساختہ اعتقاد اور بَـغِـیٌّ کے من مانے معنے کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن پرویز صاحب آنکھیں بند کئے اپنی کہے جا رہے ہیں!! یا للعجب۔

قرآن مجید حضرت مریمؑ کو "صـدیقة" کہتا ہے۔ اگر انہوں نے حدود شکنی کر لی تھی یعنی تجرد کی زندگی چھوڑ کر بیاہ کر لیا تھا تو انہیں اپنے اس جرم کا اعتراف کر لینا چاہئے تھا۔ دیکھئے حضرت موسیٰؑ ایک جان کو مار ڈالتے ہیں تو وہ اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ: میں نے یہ اس وقت کیا تھا جب میں ضالین میں سے تھا (۲۶/۲۰)

لیکن یہاں تو قصہ ہی دوسرا ہے، راہبہ والا ہوائی قلعہ تو خود پرویز صاحب کا پیدا کردہ ہے۔ قرآن مجید سے اسے کوئی تائید حاصل نہیں اور جیسا کہ سابقہ صفحات میں ہم عرض کر آئے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کی والدہ کی دعا سے یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت مریمؑ کی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے جب اپنی بیٹی مریمؑ کو خدا کے لئے نذر کیا تھا تو ان کے دل و دماغ میں تجرد کی زندگی کا وہ ہولناک تصور موجود ہی نہ تھا جو پرویز صاحب کو پریشان کر رہا ہے۔

پھر یہاں قصہ ہی دوسرا ہے، عربی میں بعض الفاظ تو ایسے ہوتے ہیں جو مذکر کے لئے استعمال ہی نہیں ہوتے اس لئے کہ مذکر سے ان افعال کا سرزد ہونا محال ہے۔ ایسے الفاظ سے مذکر کا صیغہ بھی مونث کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حَـائِـضٌ کے معنی ہیں حیض والی عورت یعنی حَـائِـضَـةٌ اور یہ لفظ مذکر کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن میں مذکر اور مونث کی تبدیلی کی وجہ سے معنوں میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً حَـامِلٌ جب مرد کے لئے بولا جائے تو اس کے معنے ہونگے بوجھ اٹھانے والا لیکن یہی لفظ جب عورت کے لئے بولا جائے یعنی اِمْرَاَةٌ حَـامِلٌ کہا جائے تو اس سے مراد حاملہ عورت ہوگی۔ سر پر یا پیٹھ پر بوجھ اُٹھانے والی عورت کو مذکر صیغہ کیساتھ حامل نہیں کہیں گے بلکہ حَامِلَةٌ کہیں گے۔ بغی بھی کچھ اسی قسم کے الفاظ کی فہرست میں آتا ہے۔ یہ مذکر کے لئے حدود شکن کے مفہوم کے لئے بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ لغت عرب میں اس کی تصریح مل سکے۔ لیکن جب یہ عورت کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف بدکار، زنا کار عورت ہی ہوتے ہیں اور کچھ نہیں۔ قرآن مجید میں یہ اسی معنی میں آیا ہے اور عربی لغات تمام کی تمام اس پر متفق ہیں، خود پرویز صاحب نے اپنی لغات القرآن حصہ اوّل کے صفحہ 335 پر یہ معنی درج کر دیے ہیں لیکن اگلے صفحہ پر ان کی عربیت نے زور کیا۔ خود قائم کردہ عقیدہ کی حمیت جوش میں آئی اور آپ وہ کچھ لکھ گئے جو ہم پہلے درج کر آئے ہیں یعنی "سورہ مریم میں یہ لفظ حدود شکن کے لئے آیا ہے، خاص طور پر زنا کے لئے نہیں" (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۷۳۔۷۶)

"بـغـی" کے متعلق بطاہر سورتی پہلے بھی گفتگو کر چکے ہیں۔ اس لفظ کا معنی زنا کار عورت ہے۔ پرویز مرحوم کا خیال ہے کہ سورہ مریم کی آیت 20 میں یہ لفظ حدود شکن کے لئے آیا ہے، خاص طور پر زنا کار کے

لئے نہیں۔ زنا کار عورت قانون شریعت کی حدود شکن ہوتی ہے۔ اگر حضرت مریم نے کہا کہ وہ حدود شکن نہیں ہیں تو غلط نہیں کہا۔ وہ جب تک ہیکل میں رہیں، انہوں نے تجرد کی زندگی بسر کی، اس میں بھی انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ طاہر سورتی مرحوم کے نزدیک وہ معبد میں تھیں، ہیکل بھی معبد کے معنی میں آتا ہے۔ اگر موسوی یا عیسوی شریعت میں معبد میں تجرد کی زندگی بسر کرنے کا قانون ہے تو اس پر تیغ پا ہونے کا کوئی جواز نہیں قرآن مجید میں ہے: ولا تباشروهن وانتم عٰكفون فى المسٰجد (مسجدوں میں رہائش پذیر ہو تو بیویوں سے مباشرت کرنا ممنوع ہے، بقرہ 187:2)

حضرت مریمؑ نے موسوی یا عیسوی شریعت کو نہیں توڑا، لہٰذا انکے صدیقہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جب انہوں نے فرشتوں کی طرف سے بشارت ملنے پر ہیکل میں تجرد کی زندگی کو خیر باد کہکر اور گھر آ کر بیاہ کرلیا تو یہ کوئی جرم نہ تھا کہ اس کا اعتراف کریں۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو دین کے خدمت کے لئے وقف کرنے کی جو منت مانی تھی، اس میں مریمؑ کی پیدائش پر یہ ترمیم کی کہ مریمؑ کو اور (بالغ ہونے پر نکاح کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی) اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا (آل عمران 36:3) لہٰذا تضاد کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ طاہر سورتی مرحوم کو چاہئے تھا کہ وہ ثابت کرتے کہ حضرت مریمؑ کی والدہ کی خواہش تھی کہ مریمؑ کے جو اولاد ہو وہ بغیر باپ کے ہو اور وہ کنواری ماں بنیں مگر طاہر مرحوم یہ بات ہرگز ثابت نہیں کرسکے۔ اللہ تعالیٰ نے مریمؑ کی والدہ کی خواہش کے مطابق ایسا انتظام کیا کہ مریم ہیکل میں فرشتوں کی بشارت ملنے پر ہیکل چھوڑ کر گھر آ گئیں وہاں اللہ کے ایک تندرست بندے نے مریمؑ کو نکاح کا پیغام دیا۔ یہ نکاح ہو گیا جس کے نتیجہ میں ان کا پہلا بچہ (عیسیٰؑ) پیدا ہوا۔ پھر اور بھی بچے پیدا ہوئے۔ اور یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی والدہ کی خواہش پوری کردی۔ (بچوں کے لئے دیکھئے آیت: ومن آبائهم وذريتهم واخوانهم... الانعام 88:6) نکاح موسم سرما میں ہوا تھا ولادت موسم گرما میں ہوئی جب کھجوریں پکی ہوئی تھیں۔ کسی معجزاتی اور ہوائی پیدائش کے لئے نہ تو حمل کی ضرورت ہونی چاہئے نہ ولادت میں نو ماہ لگنے چاہئیں۔

طاہر سورتی درج ذیل عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

مچھر چھاننا اور اونٹ نگل جانا: كَذٰلِكِ اور بَغِيًّا کے مفہوم میں اس دھاندلی بازی نے ثابت کردیا کہ پرویز صاحب نہ قرآن مجید کی حدود میں رہنے کے قائل ہیں نہ تصریف آیات کی رُو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے حامی ہیں، نہ وہ کلام عرب کو

اس بارے میں اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں، حتیٰ کہ لغات القرآن میں انہوں نے جن لغات یا تفاسیر کا حوالہ دیا ہے وہ بھی صرف ہاتھی کے دانتوں کی طرح نمائشی ہیں۔ اگر وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی مستند اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی "بَغِیٌّ" اور "ابن مریم" اور "کَذٰلِکِ" کے بارے میں ان کی تائید نہیں کرتا بلکہ تمام کے تمام حضرت مسیحؑ کے ابن مریمؑ ہونے میں ہمارے ہمنوا ہیں اور پرویز صاحب کے مخالف۔ قرآن کے الفاظ کو قرآن سے دور لے جا کر اپنی مرضی کے مطابق ان کی تشریح کرنا، قرآن مجید اور لغت عرب پر کس قدر عظیم ظلم ہے۔ شاید ایسے ہی موقع پر حضرت عیسیٰؑ نے فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ پودینے اور سونف اور زیرے پر دہ یکی دیتے ہو اور تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو"

(شعلہ مستور صفحہ 103 بحوالہ متی، $\frac{۲۳}{۲۶-۱}$)

چھوڑیئے لغات و تفسیر کو کہ اس وقت ہمارا مرجع صرف قرآن مجید ہے، اگر پرویز صاحب اُن مقامات کو ایک نظر دیکھ لیتے جہاں یہ مادہ قرآن مجید میں خالص عورتوں کے لئے آیا ہے تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ عورتوں کے لئے بِغَاءٌ اور بَغِیٌّ جہاں بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، زنا کاری اور بدکاری ہی کا مفہوم رکھتا ہے اور اسکے سوا سرکشی یا قانون شکنی کا کوئی دوسرا تصور جو ان کے ذہن میں ہے نہیں پایا جاتا۔

جب پرویز صاحب عربی لغات، کلام عرب اور تفاسیر کو سر اونچا کئے روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود عربی لغات ہیں اور یہ حق انہیں اس لئے حاصل ہوا ہے کہ ان کی تمام عمر عربی لغت و ادب کی وادیاں طے کرنے میں بسر ہوئی ہے۔ ہزاروں لاکھوں عربی اشعار ان کی نوک زبان ہیں۔ نیز اس لئے کہ وہ ابھی ابھی حجاز کے ریگستانی بدوؤں کی صحبت سے فارغ ہو کر جدید تحقیقی مواد ساتھ لائے ہیں پرویز صاحب کی "لغات القرآن" اس قسم کی من مانی کارروائیوں سے بھری پڑی ہے۔ ان کی لغات القرآن میں ایک بڑا حصہ تو ان کے اپنے نام نہاد "نظام ربوبیت" سے بھرا ہوا ہے، کچھ حصہ خالص لغت کا ہے لیکن اس میں بھی بیشتر ان کے قیاس نے لغت کو صحیح راہ سے ہٹا دیا ہے۔ اس حصہ میں وہ کبھی کبھی اپنی فکر کی تائید میں مستند لغوی پر غیر مستند لغوی کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم ایک مستقل مقالہ لکھیں گے، انشاء اللہ۔ (ابن مریم اور پرویز، صفحہ: ۷۶۔۷۷)

قبل ازیں "بَـغِـیٌّ" کے معنی پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ خاکم بدھن! اس کا معنی بدکار عورت لیا جائے، تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ مریم کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ نہ ہی ابن مریم ہونے سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کے بے پدری ولادت کے حامل تھے اور نہ کذلک سے ایسا کچھ ثابت ہوتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ ابن مریم تھے اور حضرت مریم انکی والدہ تھیں، تو بھی

انکا ایک والد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کے باپ کا ذکر کیا جائے تو اس سے یہ مستلزم نہیں ہوتا کہ انکی والدہ نہ تھی۔ ولد کے لئے والد اور والدہ لازم و ملزوم ہیں۔ رہ گئے "لغات القرآن" کے بارے میں طاہر سورتی مرحوم کے ریمارکس تو اس کے لئے انکے مستقل مقالہ کا مطالعہ کر کے ہی کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے، جو کہ تا حال راقم الحروف کو میسر نہیں۔ اس کے بعد طاہر سورتی مرحوم نے دعوت کے عنوان سے پرویز صاحب کو چیلنج کیا ہے، ذیل میں ملاحظہ ہو۔

دعوت: میں پرویز صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے بیان کے مطابق نا قابل اعتماد اور محرفہ انا جیل کو چھوڑ دیں، ساتھ ہی قرآن مجید کی تصریحات کے خلاف پہنچنے والی تحقیقات اور رینان جیسے محققین کی خوشہ چینی ترک کر دیں اور پھر قرآن مجید اور تصریف آیات قرآنی کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھائیں کہ حضرت عیسیٰ باپ کے ذریعہ پیدا ہوئے تھے اور وہ باپ یوسف تھا۔ یا میرے پچھلے صفحات میں مذکور دلائل کی صرف قرآن مجید کی حدود میں رہتے ہوئے تردید فرما دیں۔ یا پھر وہ ابن مریمؑ سے متعلق میرے دلائل اور ابن یوسف سے متعلق اپنی تحقیق تین ایسے غیر جانب دار علماء کے سامنے رکھیں جو قرآن مجید اور عربی زبان پر عبور رکھتے ہوں، پھر اگر ان تین میں سے ایک بھی تصریف قرآن اور عربی لغت سے یہ ثابت کرنے پر قادر ہو جائے کہ پرویز صاحب کا موقف صحیح ہے تو میں اپنے دعویٰ سے تائب ہو جاؤں گا اور حضرت عیسیٰ کو "ابن یوسف" تسلیم کر لوں گا۔ بصورت دیگر پرویز صاحب اپنے اس عقیدہ سے تائب ہو کر حضرت عیسیٰ کو صرف "ابن مریم" تسلیم کر لیں اور خلاف قرآن تاویلات کرنے سے تائب ہو جائیں کیا جناب پرویز اس پیش کش کو قبول کرنے پر تیار ہیں فهل انتم مسلمون؟

یہ ہے پرویز صاحب کے دیگ کا ایک چاول جس سے آپ محتاط اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پورے دیگ کا کیا حال ہوگا؟
ہم نے یہاں حضرت عیسیٰ کے صرف ایک پہلو سے بحث کی ہے، اگر شعلہ مستور میں بیان کی ہوئی حضرت عیسیٰ کی پوری زندگی کا قرآنی معیار پر جائزہ لیا جائے تو یہ بحث بہت طویل ہو جاتی ہم یہاں صرف ایک اونٹ کی نشاندہی کر رہے ہیں، جسے علانیہ نگلا جا رہا ہے۔ اگر سارے نگلے ہوئے اونٹ نکال کر بتائے جائیں تو آپ حیران رہ جائیں گے؟ لازماً اس میں پرویز صاحب کی فریسیانہ مہارت و شطارت کا بڑا ہاتھ ہے؟ (ابن مریم اور پرویز، صفحہ: ۷۷۔۷۸)

لیکن افسوس ہے کہ اب پرویز صاحب اور طاہر سورتی صاحب دونوں بقید حیات نہیں۔ البتہ قرآن مجید سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے اور طاہر سورتی مرحوم کے استدلال کی غلطیاں بھی بے نقاب کی جا چکی ہیں۔

آخر میں طاہر سورتی مرحوم نے سورہ مائدہ کی آیت 110 کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ذیل میں طاہر سورتی مرحوم کی طرف سے اس آیت کا ترجمہ اور تصریحات ملاحظہ ہوں:

یہ آیت طاہر سورتی مرحوم نے اپنی کتاب "ابن مریم اور پرویز" کے صفحہ 37 پر بھی پیش کی تھی

اور اس کا ترجمہ بھی درج کیا تھا۔ لیکن کوئی تصریح نہیں کی تھی اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا تھا کہ ''مذکورہ بالا آیات کو عربی میں پڑھیئے ایک بار نہیں کئی بار پڑھیئے اور ان آیات کے الفاظ و معانی کو اس طرح ذہن نشین کیجئے کہ آگے تاویل کے جو کھنڈر آپ کی نگاہوں کے سامنے آئیں وہ بھی آپ کو قرآن کے الفاظ و معانی سے دور نہ لیجائیں۔'' مزید فرماتے ہیں!

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ جب اللہ نے کہا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کی (۵/۱۱۰)

غور فرمایئے یہ کیسی نعمت ہے جس میں بیٹا اور ماں شریک ہے اور باپ اس سے محروم ہے؟ قارئین کرام! اب آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ آخر پرویز صاحب یہ حدود فراموشیاں کیوں روا رکھتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ وہ نہ حدود قرآن میں رہتے ہیں نہ حدود کلامِ عرب میں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب پرویز صاحب روشن دماغ اور جدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ سب سے پہلے اپنے عقلیت پرست یورپین اولیاء مثلِ رینان پر اعتماد کرتے ہیں اور پھر اپنی عقل و بصیرت قرآنی پر اور پھر کسی پر نہیں۔ یعنی جو وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید جدھر لے جائے ادھر چلے جاؤ اور ہر لحہ بدلنے والی عقل کی خاطر قرآنی حقائق کو نہ بدلا جائے۔ نیز یہ کہ اگر قرآن کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو اسے تسلیم کر لینا چاہیئے، تو یہ صرف قرآن مجید سے نابلد تعلیمیافتہ حضرات کو اپنے اوپر اعتماد پیدا کرانے کے لئے کہا جاتا ہے اور اس کا نام ہے الفاظ کا گورکھ دھندا جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا یعنی بعض بیان (ادبی صلاحیت اور طرز بیان) میں جادو ہوتا ہے حضرت عیسیٰ کے بارے میں تصریحات قرآن سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان کی ولادت بے باپ کے ہوئی لیکن پرویز صاحب اس لئے یہ نہیں مانتے کہ ان کی عقل اسے تسلیم نہیں کرتی، وہ خواہ عقل کو کتنا ہی ناقابل اعتماد بتائیں۔ بہر حال اتباعِ عقل میں لگے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان پیدا نہیں ہوتا، جب ایمان پیدا نہیں ہوتا تو عمل غائب اور شیطان حاضر ہو جاتا ہے اور صرف فلسفہ بازی، لفاظی، دماغی تعیش اور کھوکھلی صحافت باقی رہ جاتی ہے۔ اگر آج ہمارے علماء لوگوں کا ایمان پختہ کرنے میں لگ جائیں تو تمام عملی کوتاہیاں خود بخود دور ہو جائیں اور قصرِ مسلمہ دنیا کی ایک عظیم ترین قوت بن جائے جس کے ایمان کو تاب نہ راکٹ لا سکیں گے نہ ایٹم بم!

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ   مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کیا اچھا ہوتا کہ پرویز صاحب مسلمانوں کے ایک ایک عقیدہ پر جو ایمان افروز تھا ضرب لگانے کی بجائے ان کے ایمان کے کھنڈر کو پختہ بنیادوں پر اٹھانے میں کوشاں رہتے، یہی حضرت عیسیٰ کا مسئلہ ہے جسے وہ اپنے ''عالم امر'' کی مصنوعی خود ساختہ اور غیر قرآنی اصلاح سے حل کر سکتے تھے، یعنی وہ لکھ سکتے تھے کہ ''حضرت عیسیٰ کا معاملہ عالم امر سے ہے جس کا تعلق دنیائے محسوسات سے نہیں اس لئے تم اس کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتے اس پر ایمان لانا ہوگا...... یہ چیزیں غیر از نبی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں''

(عالم امر کی یہ توجیہہ پرویز صاحب نے لغات القرآن مادہ ''روح'' صفحہ 784 میں کی ہے) اور میں وہ اپنی حد تک غلط بھی نہ کہتے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے واقعہ کے لئے ''امر'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور کہا ہے:

اذا قضٰی امرًا فانّما یقول لہ کن فیکون (۳) جب وہ کسی ''امر'' کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا ہے: وَ کَانَ اَمْرًا مَقْضِیًّا (۱۹) اور (یہ ولادت عیسیٰؑ) ایک طے شدہ ''امر'' ہے۔

پھر غور فرمائیے کیا ہماری عقل یہ سمجھ سکتی ہے کہ حضرت زکریاؑ نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے ان کی دعا کا جواب دیا، پھر انہوں نے اللہ سے سوال و جواب شروع کر دیئے اسی طرح حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ کا انسانی روپ دھار کر پہنچنا، پھر ان کا اس سے سوال و جواب کرنا۔ یہ سب امور ہماری عقل سے بالاتر ہیں، خود وجود باری تعالیٰ اور وحی کا سلسلہ ہماری سمجھ میں کب آتا ہے، بس ہمیں اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے جتنا کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں بتایا، باقی جو امور ماورائے عقل و ماورائے مادیات ہیں، ان پر ہمیں ایمان لانا ہی ہوگا۔ بغیر اس کے دین کوئی معنی نہیں رکھتا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس کی عقل کے مطابق رہے وہ اپنے لئے کوئی نیا دین بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عقل وہی درست ہے جو اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے وحی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور ایمان کے حضور میں زانوئے تلمذ بچھا دے۔ بعض اوقات جناب پرویز اس قسم کے گہرے علمی مسائل میں غوطہ زنی سے گریز کرنے کے لئے یوں کہہ کر پناہ تلاش کر لیتے ہیں کہ آپ قرآن سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور میں اس نتیجہ پر، ہم میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اتنے اہم اور بنیادی مسئلہ کا اس طرح فیصلہ کیونکر ہو جائیگا؟ یقیناً جب بھی قرآن مجید سے اس طرح کے دو متضاد خیالات تک پہنچا جائے تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ان خیالات میں کونسا قرآنی خیال ہے اور کونسا خارج از قرآن ایسا ہو نہیں سکتا کہ قرآن مجید جو اختلافات دور کرنے کے لئے آیا ہے، دو ایسے علماء کو جو قرآن مجید ہی کو سند مانیں اور اس سے باہر کی کسی تحقیق پر اعتماد کلی نہ رکھیں دو متضاد نتائج تک پہنچائے، خود طلوع اسلام بابت جولائی 62ء کے صفحہ 66 پر یہ عبارت ملتی ہے۔

''اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن کو خارجی اثرات سے منزہ کر دینے کے بعد اس کے احکام میں تضاد اور اختلاف رہتا ہے تو یہ چیز قرآن کریم کے اپنے دعویٰ کے خلاف ہے اس نے کہا ہے کہ میرے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے''۔

اب پرویز صاحب اور تمام قارئین کرام صرف قرآن مجید کو پیش نظر رکھ کر خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے ہمارے درمیان فیصلہ کریں کہ ہم میں سے کون صرف قرآن مجید سے نتیجہ اخذ کر رہا ہے اور کون خارج از قرآن دلائل لانے کے لئے مجبور ہو گیا ہے؟ کون صرف قرآن مجید سے دلائل لا رہا ہے اور کون اناجیل دو زینان کا دامن تھام رہا ہے؟ یاد رکھئے حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ہم اس کی رعایت کریں۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔ تو میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو باتیں سنتے ہیں۔ پھر ان میں سے جو سب سے بہتر ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ (۳۹) (ابن مریم اور پرویز صفحہ: ۷۸ تا ۸۰)

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمتیں عام ہیں اور اتنی ہیں کہ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ حضرت عیسیٰ کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو دینے کا باعث بننے کے لئے انکی والدہ سے نکاح کی غرض سے بھیجا تھا، جسکی فرشتوں نے بشارت دی تھی۔ یہ فرستادہ حمل کے آخری ایام میں مریمؑ کو لیکر اپنے وطن روانہ ہوا، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش راستہ میں ہوئی۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس فرستادہ نے ہی بچہ جننے میں مریمؑ کی مدد کی تھی، اور انہیں حوصلہ دیا تھا۔ جبکہ موضوع روایات کے مطابق یہ فرستادہ جبرائیلؑ تھا۔ طاہر سورتی اسے صرف فرشتہ سمجھتے ہیں۔ فرشتے غیر مرئی ہیں اور انسان کے خادم و ساجد بنائے گئے ہیں۔ فرشتے اس دنیا میں نظر نہیں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت زکریاؑ کو بشارت دی تو حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے سوال کیا: قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ (آل عمران 3:40) اور حضرت مریم کو بشارت دی تو انہوں نے بھی قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ (3:47) کہا۔ سورہ مریم میں بھی حضرت زکریا کا خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے۔ لیکن جب وہ فرستادہ حضرت مریم کے سامنے آیا تو حضرت مریمؑ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا (مریم 19:18) اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ فرستادہ، جسے قرآن نے روحنا کہا ہے نہ تو جبرائیل تھا نہ کوئی اور فرشتہ کہ نظر نہ آتا ہو۔ یہ فرستادہ ایک انسان تھا۔ جبرائیل نے بھی قرآن پاک رسول کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ انسانی روپ دھار کر اپنے آپ کو نہیں دکھایا۔

یہ ایک ضمنی بات تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کا والد حضرت عیسیٰؑ کو اور انکی والدہ کو اپنے وطن ناصرہ لے گیا۔ جہاں حضرت عیسیٰؑ جوان ہوئے۔ اس اثنا میں انکے والد وفات پا گئے۔ حضرت مریمؑ کو انکی والدہ نے بچپن میں ہیکل (معبد، مدرسہ) کی نذر (وقف) کر دیا تھا کہ وہ تعلیم پا کر دین کی خدمت کریں، اور جوان ہو کر اپنا گھر بسائیں اور صاحبہ اولاد ہوں۔ یہودی شریعت (غلط رسم و رواج) کے مطابق یہ ایک ایسا معاہدہ تھا، جسکی وجہ سے نذر کئے گئے بچے شادی نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے ذریعے اس غلط رسم رواج کو توڑ دیا اور انہوں نے اللہ کے فرستادہ سے نکاح کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں انہیں حمل ہوا اور حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے آخری نبی کی والدہ ہونا ایک شرف عظیم تھا۔ حضرت عیسیٰؑ پر سب سے بڑی نعمت تو یہ تھی کہ انہیں نبی بنایا گیا، انہیں انجیل دی گئی، ان سے کئی اصلاحیں کروائی گئیں، بنی اسرائیل نے انکو صلیب کی موت دینا چاہی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس موت سے بچا لیا۔

وہ وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین ہوئے۔لیکن عیسائیوں نے انہیں اورانکی والدہ کو بعد میں دو الہ بنالیا۔اللہ تعالیٰ نے عالم آخرت میں حضرت عیسیٰؑ اورانکی والدہ کی الوہیت کی نفی کے طور پر یاعیسیٰؑ بن مریم کہکر مخاطب کیااوران دونوں پراپنی نعمت یاددلائی۔جننے والی اوردردزہ سے جنا ہوا بچہ الٰــہ نہیں ہوسکتے۔چنانچہ آگے چل کراس سورۃ کی آیت 110 میں جب انہیں الٰہ کہنےوالے عیسائی،عالم آخرت میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کواسی خطاب کےذریعےارشادفرمایا:

اذقال اللہ یا عیسی بن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ (جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کواور میری ماں کوخدا کے سوائے دومعبود بناؤ؟)

جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے آیہ کریمہ ومن اٰبائھم وذریاتھم واخوانھم (الانعام6 :87) میں حضرت عیسیٰؑ کےوالد کا صاف طور پر ذکر ہے۔ابن مریم ان کاوہ نام ہے،جس سےوہ مشہورہوئے۔ آباء میں تغلیباً مائیں بھی داخل ہیں۔لیکن ماں کالفظ بولنے سے باپ کاانکارکسی صورت بھی نہیں کیا جا سکتا۔جس طرح کسی کے باپ کاذکرکیاجائےتواس سے یہ سمجھناغلط ہے کہ وہ بغیر ماں کے پیدا ہوا تھا۔ منہ بولے بیٹوں کوانکے باپوں کےنام سے پکارنے کاذکر ہے،اگران کے باپوں کاعلم نہ ہوتواس سے کوئی بھی یہ نتیجہ اخذنہیں کرے گا کہ وہ باپوں کے بغیر ہی پیدا ہوگئے تھے۔اللہ تعالیٰ کاارشاد: یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی (اے لوگو!ہم نے تم (میں سے ہرایک) کوایک مرداورایک عورت سے پیدا کیا ہے) ہی سے استدلال کیا جائے،تو وہ انسانی پیدائش کے لئے الٰہی قانون کوسمجھنے کے لئے کافی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قانون میں کہیں بھی کسی کے لئے استثناء کاذکرنہیں کیا۔حتیٰ کہ حضرت مریمؑ بھی اس قانون میں کسی استثناء سے آگاہ نہیں تھیں اور نہ ہی ایسااستثناءموجود تھا اور نہ ہے۔اسلئے فرشتوں کی طرف سے بشارت کے بعداپنے گھر آکر جب ایک تندرست مرد نے کہا کہ اس کواللہ نے اسلئے بھیجا ہے کہ وہ انہیں ایک پاکیزہ بیٹا دینے کا باعث بنے،تو مریمؑ نے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھے نہ توکسی بشر نے نکاح سے چھوا ہےاورنہ میں بدکارہوں(یعنی کیا تو مجھ سے نکاح کرنے کے لئے آیاہے؟) جس پراس تندرست مرد نے کہا: کــذلکِ (بات یوں ہی ہے جیسے تو نے کہا ہے، یعنی میں نکاح کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔(جہاںتک ہیکل کے متولیوں کی بنائی ہوئی غلط رسم کی

رکاوٹ کا تعلق ہے تو تیرے رب کا کہنا ہے کہ متولیوں کی اجازت کے بغیر نکاح کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا کرانا میرے لئے آسان ہے اور ہم نے اس کا فیصلہ کر لیا ہے)

طاہر سورتی مرحوم اپنی کتاب ابن مریم اور پرویز کے صفحہ 79، 80 **و کان امرا مقضیا** (20:19) اور یہ (ولادت عیسیٰ) ایک طے شدہ امر ہے) کے حوالہ سے کہتے ہیں:

''پھر غور فرمایئے کیا ہماری عقل یہ سمجھ سکتی ہے کہ حضرت زکریاؑ نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے انکی دعاء کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے اللہ سے سوال جواب شروع کر دیئے، اسی طرح حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ کا انسانی روپ دھار کر پہنچنا ان کا اس سے سوال جواب کرنا، یہ سب ہماری عقل سے بالاتر ہیں۔ خود وجود باری تعالیٰ اور وحی کا سلسلہ ہماری سمجھ میں کب آتا ہے، بس اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے، جتنا کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں بتایا ہے، باقی جو امور ماورائے عقل اور ماورائے مادیات ہیں، ان پر ہمیں ایمان لانا ہی کافی ہوگا۔ بغیر اس کے دین کوئی معنی نہیں رکھتا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اسکی عقل کے مطابق رہے وہ اپنے لئے کوئی نیا دین بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عقل وہی درست ہے، جو اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے وحی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور ایمان کے حضور زانوئے تلمذ بچھا دے۔''

اگر عقل اتنی ہی درماندہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے متعدد بار یہ کیوں فرمایا ہے کہ **افلا تعقلون** اور **لعلکم تعقلون**۔ قرآن مجید تدبر سے کام لینے کا متقاضی ہے۔ اور تدبر عقل سے ہی کیا جاتا ہے۔ سورہ محمد کی آیت 47 میں ہے **افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا** (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں (ترجمہ تھانوی)

پہلی پیدائش کے بعد نسل انسانی کی افزائش کا سلسلہ حقیر پانی سے چلا آرہا ہے۔ اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت بنائے ہیں۔ بعض آیات سے اس قانون کے خلاف معنے نکالنا درست ہے یا اسکی مطابقت میں مفہوم اخذ کرنا صحیح اور معقول ہے؟ کیا **فحملتہ** (پھر مریمؑ نے اس بچہ کو حمل میں لیا) سے یہ مفہوم لینا کہ اللہ کے فرستادہ نے جو ایک تندرست مرد تھا، حضرت مریمؑ سے نکاح کر لیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوئیں اور اس بچہ کو پیٹ میں لیا جسکی بشارت دی گئی تھی، خلاف ضابطۂ الٰہی ہے یا یہ معنی لینا صحیح ہے کہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ موزوں قد قامت کا انسانی روپ دھار کر ایک پاکباز بیٹا بخشنے کے لئے مریمؑ کے پاس آیا۔ اشرف علی تھانوی مرحوم نے **لاھب لک غلاما زکیا** کی وضاحت حاشیہ میں یوں کی ہے:

''یعنی تمہارے منہ میں یا گریبان میں دم کر دوں گا کہ اس کے اثر سے باذن اللہ حمل رہ جاوے گا

حاشیہ میں لکھا ہے: ''نشانی لوگوں کو یعنی بن باپ کا لڑکا پیدا ہوگا۔ اللہ کی قدرت ہے''۔ شاہ رفیع الدینؒ دہلوی نے **لاھب لک غلاما زکیا** کا ترجمہ اس طرح پر کیا ہے: '' تو کہ بخش جاؤں تجھ کو لڑکا پاکیزہ'' اور **فحملته فانتبذت به مكانا قصيا** کا ترجمہ یوں کیا ہے: پس حاملہ ہوگئی ساتھ اس کے پاس جا پڑی ساتھ اس کے مکان دور میں (یعنی جنگل میں۔) '' آسان قرآن میں علی احمد خاں دانشمند جالندھری نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''پس حمل میں لیا مریم نے اسکو پھر کنارہ کرگئی ساتھ اس مرد کے کسی جگہ غیر ملک میں الگ دور دراز کے۔'' ہمارے اکثر بزرگوں سے بہتر اور معقول ترجمہ تو علی احمد خاں دانشمند جالندھری کا ترجمہ ہے۔ جو بیسویں صدی سے تعلق رکھتے تھے، کیا منہ یا گریبان میں دم کر کے اولاد نرینہ دینا قرآن مجید میں کسی جگہ مذکور ہے ...؟؟؟

اگر حضرت مریمؑ کو انکے منہ یا گریبان میں دم کر کے بچہ مل سکتا تھا تو حضرت مریمؑ کے حاملہ ہونے کی کیا ضرورت تھی، بچہ حمل کے بغیر مل جاتا۔ مگر قرآنی آیات سے منکشف ہوتا ہے کہ وضع حمل شدید دردزہ سے ہوا۔ جو عورت کے بچہ جننے کا عام قاعدہ ہے اور اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ حمل اس مرد تندرست سے نکاح کے نتیجہ میں قرار پایا تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاس اسی مقصد کے لئے بھیجا تھا، یہ تندرست مرد کوئی فرشتہ نہ تھا جس نے ایک موزوں قد وقامت کا انسانی روپ دھار رکھا تھا، بلکہ ایک نیک روح یعنی ایک باکردار شخص تھا۔

یہ بات کہ حضرت زکریاؑ نے اللہ کو پکارا اور اللہ نے انکی دعا کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے اللہ سے سوال جواب شروع کردیئے، ہماری عقل با آسانی سمجھ سکتی ہے حضرت زکریاؑ بوڑھے تھے اور بیوی بانجھ تھی، دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انکی بیوی کا بانجھ پن دور کرایا اور انہیں تندرست بنادیا، جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے۔ ''یحییٰ'' والد کے بڑھاپے کی کمزوری اور والدہ کے بانجھ پن کی موجودگی میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ اس کے لئے دونوں رکاوٹیں دور کردی گئیں۔

حضرت مریمؑ کے ہاں عیسیٰؑ کی پیدائش بھی جیسے اوپر واضح کیا جاچکا ہے، ہماری عقل سے بالا تر نہیں مگر اس کے لئے صحیح سوچ اور قرآنی تصریحات پر تدبر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح وجود باری تعالیٰ اور وحی کا سلسلہ بھی ہماری سمجھ میں آسکتا ہے۔ ماورائے عقل اور ماورائے مادیات امور انسانی فہم وادراک کی دسترس میں ہیں۔ قرآن مجید میں یقیناً کوئی تضاد نہیں یہ صرف عدم تدبر سے نظر آتا ہے۔ اور اس کتاب میں

طاہر سورتی مرحوم کی الٹی سوچ کے ثبوت بکثرت فراہم کیے گئے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں آسمانی ادب کا شاہکار ہے اور اصناف سخن سے آراستہ ہے۔ قرآن مجید کی ایجاز بیانی کی ایک مثال ملاحظہ ہو جسے ایجاز حذف کہا جاتا ہے۔

فَسَقٰی لهما ثم تولّٰی الی الظِلّ فقال رب انی لما انزلت الیٰ من خیر فقیر O فجاءته احدٰ اهما تمشی علی استحیاء قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا۔ ترجمہ: پس (یہ سن کر) موسیٰ نے ان کے جانوروں کو پانی پلایا۔ پھر (وہاں سے) ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے۔ پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو (نعمت) بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اسکا (سخت) حاجتمند ہوں۔ پھر ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی اور (آکر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تا کہ ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کا تمہیں صلہ دیں۔" (القصص 28:24،25)

اس آیت میں ظاہر و لفظوں میں یہ مذکور نہیں کہ پانی پلانے کے بعد جب موسیٰ سایہ میں جا بیٹھے تو لڑکیوں اور انکے مویشیوں کا کیا بنا۔ ایجاز کی رو سے البلاغة الواضحة، مطبوعہ مصر نے یہاں یہ عبارت محذوف قرار دی ہے: **فذهبتا الی ابیهما وقصتا علیه ماکان من امر موسیٰ فارسل الیه** ۔ (پھر دونوں لڑکیاں اپنے والد کے پاس گئیں اور انہیں موسیٰ کے متعلق تمام ماجرا سنایا جس پر ان کے والد نے کہا کہ جاکر موسیٰؑ کو بلالاؤ۔

لہٰذا قرآن مجید میں جہاں جہاں ایجاز کا استعمال ہوا ہے، وہاں سیاق و سباق اور دوسرے مقامات پر متعلقہ موضوع کے بارے میں تصریف آیات سے جو کچھ بیان کیا گیا ہو، انکی مطابقت میں محذوف عبارت کا تعین کرنا چاہیے، تا کہ قرآن مجید کا منشا واضح ہو اور تضاد و تناقض کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

☆☆☆☆☆تمت☆☆☆☆☆